

مسئلہ حیاتِ النبوی

ﷺ

ﷺ

www.KitaboSunnat.com

ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

تالیف

مولانا محمد اسماعیل سلفی
رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

المکتبۃ السلفیۃ
شیش محل مرودہ
لاہور 54000

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

مسئلہ حیاتِ النبی ﷺ

ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

تالیف

مولانا محمد اسماعیل سلفی
رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

المکتبۃ السلفیۃ

شینس محل سرورڈ لاہور ۵۴۰۰۰

Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981

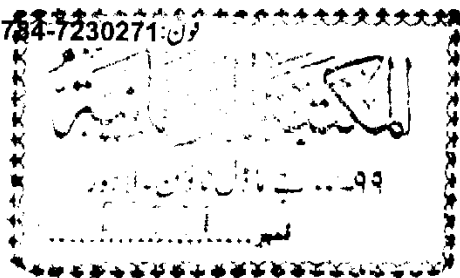
جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	-----	مسئلہ حیات النبی ﷺ
مصنف	-----	مولانا اسماعیل سلفی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
باہتمام	-----	احمد شاکر
مطبع	-----	موٹروے پرنٹرز
طبع اول	-----	اپریل ۲۰۰۳ء
کیوزنگ	-----	رشید احمد صدیقی
تعداد	-----	۱۰۰۰
ناشر	-----	المکتبۃ السلفیۃ
قیمت	-----	۱ روپے

واحد تقسیم کار

دارالکتب السلفیۃ، شیش محل روڈ، لاہور

فون: 7230271-4 042-7237824



فہرست

۷	تقریب
۱۰	اصلاحی تحریکات کا مدوجزر
۱۱	ہندوستان کی تحریک تجدید
۱۲	تحریک کا مزاج
۱۳	دیوبندی اور اہل حدیث
۱۶	شاہ ولی اللہ صاحب <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا مقام
۱۶	مسئلہ حیات النبی ﷺ
۱۷	صورت تصفیہ
۱۷	شاہ شہید <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۱۸	تیسرا ہنگامہ
۱۹	مخالف توحید تحریک کی ناکامی
۲۰	محل نزاع
۲۰	www.KitaboSunnat.com
۲۰	اہل حدیث اور فقہاء
۲۱	بریلوی عقیدہ
۲۲	دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی
۲۲	غور و فکر کے لیے چند گزارشات
۲۵	انبیاء کی حیات دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے
۲۵	کیا موت انبیاء کے لیے موجب توہین ہے؟
۲۶	عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی
۲۷	آنحضرت <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی دعوت مہابہ
۲۷	خان صاحب کی طویل ایک ”آن“
۲۸	حیات شہداء کی تحقیق

- ۳۰ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق
- ۳۱ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات
- ۳۲ پیش کردہ احادیث پر ایک نظر
- ۴۰ عقیدہ حیات اور اس کے نتائج
- ۴۳ مندرجات رسالہ ”حیات النبی“ پر ایک سرسری نظر
- ۴۵ بریلوی علم کلام
- ۴۵ اخوان دیوبند
- ۴۹ چند شبہات کا حل
- ۵۰ آب حیات
- ۵۱ حیات النبی ﷺ اور اہل حدیث
- ۵۵ مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ایک سوال اور مدیر ”مجتلی“ دیوبند کا تحقیقی جواب
- ۵۸ راجح بہترین علمی مجلہ ہے
- ۵۹ مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ان سے متفق ہیں
- ۶۰ مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ معصوم نہیں تھے
- ۶۱ کل کا دیوبند اور آج کا دیوبند
- ۶۳ اہل حدیث پر توہین رسول ﷺ کا الزام
- ۳۶ مولانا محمد اسماعیل صاحب کا درست تجزیہ



مسئلہ حیاتِ النبی ﷺ

ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریب

پچھلے چند سالوں سے دیوبندی حلقوں میں مسئلہ حیات النبی ﷺ بلاوجہ باعث نزاع و شقاق بنا ہوا ہے۔ ایک فریق اس پر بضد ہے کہ آنحضرت ﷺ اب بھی بقید حیات دنیویہ ہیں۔ دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے۔ کہ ایسا سمجھنا نصوص صریحہ قرآن و حدیث اور اہل سنت کے مسلمات کے خلاف ہے۔

اس افسوسناک خلفشار کی ابتدا ایک تقریر سے ہوئی جو ایک جید دیوبندی عالم۔ صاحب علم و عرفان مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دام مجدہ نے حنفیہ کرام ملتان کے ایک جلسہ میں فرمائی جس پر ان کے رفقاء نے مذہب نے نہ صرف کہ اس وقت ہی ہنگامہ مپا کر دیا بلکہ بعد میں بھی فتویٰ بازی اور مضامین سازی کی مہم چلا دی۔ حتیٰ کہ خود مدرسہ دیوبند اور اس کے رسالہ ”دارالعلوم“ نے اس میں کافی دلچسپی لی۔

جیسا کہ ابھی معلوم ہو گا یہ مضامین عموماً ”دلائل“ کی بجائے جذبات پر مبنی تھے۔ اس لیے اونچے نام کی وجہ سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ ان ”تازہ ارشادات دیوبند کا علمی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ عاجز نے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدظلہ کی خدمت میں یہ درخواست گزرائی۔ حضرت نے بے حد مصروفیات کے باوجود چند دنوں میں ایک پیش قیمت علمی و تحقیقی مقالہ تیار فرمادیا۔ جسے ہم نے اپنے ماہنامہ ”رحیق“۔ جوانوں کو جاری کیا تھا۔۔۔ کی تین اشاعتوں۔۔۔ مارچ تا مئی ۱۹۵۸ء۔۔۔ میں شائع کر دیا تھا۔

اس مقالہ کا اہل علم و فضل نے گرم جوشی سے استقبال کیا مگر خواصان دیوبند میں اس سے خاص پہل پیدا ہوئی جو قدرتی تھی۔ چنانچہ ایک صاحب نے مدیر ”تجلی“ دیوبند کو جوش بھر اخط لکھا جو رسالہ ”تجلی“ بابت جولائی واگست ۱۹۵۸ء میں چھپا جس کا جواب باصواب دیتے ہوئے مدیر ”تجلی“ کو کوئی حقائق کا انکشاف کرنا پڑا۔

اس کے بعد ایک تحقیق پسند دوست کے دوسری نوعیت کے چند شبہات کے حل میں مولانا

موصوف نے پھر ایک تفصیلی مضمون رقم فرمایا جو ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور (۳۰ جنوری ۱۹۵۹ء) میں شائع ہوا۔

متوسلین دیوبند اس باہمی نزاع پر کافی طبع آزمائی فرما چکے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے ابھی جھگڑا چل رہا ہے۔ چنانچہ چند ہفتے ہوتے ہیں کہ اعیان و اعموان فریقین اس مسئلہ پر مناظرہ کا شوق فرمانے کے لیے لاہور میں جمع ہوئے اور کسی نتیجے کا روائی اور فیصلہ پر پہنچنے بغیر منتشر ہو گئے۔

علم دوست احباب کی مدت سے خواہش تھی کہ ”حقیق“ کے محققانہ اور جامع مقالہ کو الگ سے شائع ہونا چاہیے۔ بحمد اللہ مولوی محمد حنیف صاحب قصوری خطیب جامع اہل حدیث تصور اور کارپردازان جمعیت اہل حدیث تصور کی ہمت سے ان کی یہ آرزو برآئی اور اب نہ صرف وہی بلکہ اس سے قوی تعلق رکھنے والے ”الاعتصام“ اور ”مجلی“ کے مذکورہ مضامین کو بھی۔۔۔ دونوں کے بہت بہت شکر یہ کے ساتھ۔۔۔ الادلة القویة علی ان حیاة النبی ﷺ فی قبرہ لیست بدنیویة کے نام سے یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔

جملہ اہل توحید کو احباب تصور کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کی تحریک و مساعی حسہ سے یہ نافع ترین مقالات مستقل صورت میں اشاعت پذیر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نیک ارادوں میں مزید برکت عنایت فرمائے۔ آمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد والہ و صحابہ وسلم۔

محمد عطاء اللہ حنیف

صفر ۱۳۸۰ھ

مدیر المکتبۃ السلفیہ۔ لاہور

۱۹۶۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِیْرًا وَّ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَّرَسُوْلُهُ۔ اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ وَّ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ امام بعد

کچھ عرصہ ہوا ایک موجد عالم نے ملتان میں توحید کے موضوع پر تقریر فرمائی جو عوام اور
خواص میں پسند کی گئی۔ مگر ان کے حلقے کے بعض حضرات نے عقیدہ توحید میں استواری کے
باد جو اس تقریر کے بعض حصوں پر اعتراض اور اسے ناپسند کیا۔ اور کوشش کی گئی کہ تقریر کے
اثرات کو کم یا ازل کیا جائے۔

مقرر نے توحید کے موضوع پر بیان فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے انتقال کا ذکر فرمایا
اور جو لوگ آپ ﷺ کو اپنی طرح زندہ سمجھتے ہیں ان کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ
آنحضرت ﷺ کی زندگی ”دنوی زندگی“ ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو زندہ سمجھتے ہوئے کیسے دفن
کیا۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کو اپنی طرح زندہ سمجھیں اور زمین میں دفن
کیے رکھیں۔ (یہ مفہوم ہے ممکن ہے کہ الفاظ میں فرق ہو)

چونکہ مخالفت با اثر اور اہل علم حضرات کی طرف سے تھی۔ اور یہ حضرات بھی دیوبندی کتب
فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے اس کا اثر پاکستان میں دوسرے مقامات پر بھی ہوا اور کوشش
ہوئی کہ اس قسم کے صاف گو مبلغین کا مقاطعہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا اثر ہندوستان تک بھی پہنچا۔
چنانچہ ماہنامہ ”دارالعلوم“ دیوبند میں ایک مضمون مولانا زاہد الحسنی کے قلم سے اور ایک تعارضی
نوٹ مولانا سید محمد انظر صاحب کے قلم سے شائع ہوا۔ مگر دونوں مضامین میں کوئی جدت نہیں۔
حیات انبیاء کے متعلق وہی بریلوی نقطہ نظر ہے جسے پھیلا دیا گیا ہے۔ دلائل کا انداز بھی جو عموماً
بریلوی حضرات کی تحریرات میں ہوتا ہے دہرایا گیا ہے۔ اس قدر ترقی فرق کے ساتھ کہ نفس مسئلہ
کی تفصیل ہے۔ ذاتیات میں الجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اہل علم سے یہی امید ہونی چاہیے۔

دلائل میں کوئی خوبی ہو یا نہ ہو لیکن مضمون کے ڈانڈے پاکستان سے ملتے ہیں۔ پھر اس کی

اشاعت دیوبندی کتب فکر کی مرکزی درس گاہ کے مجلہ میں ہوئی ہے۔ مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے دانش مندوں نے مقامی مصالح کی بنا پر مرکزی اکاڈمی کو استعمال فرمایا ہے اور وہ حضرات بلا تحقیق و تمیین استعمال ہو گئے ہیں۔ اس اختلاف سے بریلوی کتب فکر جو فائدہ اٹھا رہا ہے اس کی اصلاح کے لیے مسئلہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ راقم الحروف، مولانا محمد انظر اور مولانا زاہد حسینی سے ذاتی طور پر نا آشنا ہے اس لیے اس جسارت پر معافی چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بحث، مسئلہ کی حد سے تجاوز نہیں کرے گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

پاکستان کی تشکیل کے بعد بریلویت نے جس طرح انگریزیاں لینا شروع کی ہیں۔ اور قادیانیت اور رخص کو جس طرح فروغ ہو رہا ہے۔ اس کے اثرات اور اہل توحید مبلغین کی مشکلات میں جس قدر اضافہ ہو رہا ہے اور ان میں دن بدن ترقی کی جو رفتار ہے اسے شاید ہندوستان کے اکابر نہ سمجھ سکیں۔

پاکستان کے دیوبندی اکابرین جن مصالح اور مقتضیات وقت میں روز بروز گرفتار ہو رہے ہیں اور ”بیری مریدی“ کے جرائم جس بگلت سے یہاں اثر انداز ہو رہے ہیں اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس پورے ماحول سے آشنا ہیں۔ احسان ہوتا اگر دور کے حضرات اس میں مداخلت نہ فرماتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ حکومت پاکستان کے مزاج اور یہاں کے اہل ہوا کے مزاج میں جس قدر توافق کا فرما ہے۔ اس کا علاج مصلحت اندیشوں سے نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مدارس کی مسندیں اس عوامی فتنہ کا عداوا ہو سکیں گی۔ یہ طویل سفر طے ہونے تک ممکن ہے مریض زندگی کی آخری گھڑیاں شمار کرنے لگے۔ (ج)

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اس مسئلہ کو جو صورت دی جا رہی ہے چونکہ اس سے بہت سی شرکیہ بدعات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا۔ اگر اصلاحی تحریک پر اجمالی نظر ڈال لی جائے جو ان بدعات کا قلع قمع کرنے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ اس سے مسئلہ کا پس منظر سمجھنے میں مدد مل سکتی گی۔ گو اس طرح قدرے طوالت ضرور ہو گئی ہے۔

اصلاحی تحریکات کا مدد و جزر

گیارہویں صدی ہجری کے آغاز سے تیرہویں صدی تک طاغوتی طاقتیں گو کافی مضبوط تھیں مگر خدا تعالیٰ کی رحمت کی تابانیاں بھی نصف النہار پر رہیں۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے مصلحین کی ایک باوقار جماعت کو حوصلہ دیا اور کام کا موقعہ مہیا فرمایا۔ مصلحین کے پرشکوہ اور

فعال گروہ اطراف عالم میں نمودار ہوئے۔ فتح و شکست کے اثرات اور نتائج کو مختلف ہیں لیکن مقام شکر ہے کہ ان حضرات کے صبر و عزیمت نے دنیا میں گہرے نقوش اور نہ مٹنے والے آثار آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے وَلِئِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ نجد میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ اور سعودی خاندان ایران افغانستان، مصر اور شام میں جمال الدین افغانیؒ اور ان کے تلامذہ۔

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ، ان کا خاندان اور تلامذہ۔ ان تمام مصلحین نے اپنے ماحول کے مطابق اپنے حلقوں میں کام کیا اور اپنی مساعی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ محمد بن عبدالوہابؒ علمی اور سیاسی طور پر کامیاب ہوئے۔ جمال الدین افغانیؒ نے ایسے قابل اور مخلص دماغوں کو تربیت دی۔ جن کی وجہ سے مصر و شام علم و اصلاح کا گہوارہ قرار پائے اور ان کے فیوض نے ذہنوں کی کایا پلٹ دی۔ ان حضرات کی کوششوں نے یورپ کے مادی منصوبوں کے سامنے ایسی دیواریں کھڑی کر دیں جن کو عبور کرنا ابلیسی طاقتوں کے لیے آسان نہیں۔ مصر و شام کی آزادی اور دینی تحریکات میں ان مساعی کو بہت بڑا دخل ہے جن کا آغاز مجدد وقت شیخ جمال الدین افغانیؒ اور سید عبدہؒ نے فرمایا اور اس کی تکمیل میں سید رشید رضا، علامہ مراغی، سعد زانغلول اور امیر شکیب ارسلان جیسے بیدار مغز لوگوں نے شب و روز محنت فرمائی اور کافی حد تک ان کو کامیابی ہوئی۔

ہندوستان کی تحریک تجدید

ہندوستان کی تحریک احیاء تجدید جس کی ابتدا حضرت سید احمد سرہندی نے فرمائی اور اس کی تکمیل شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے فرمائی۔ ابتدا میں علمی اور اصلاحی تھی۔ علمائے سواد اور انگریز کے منحوس وفاق نے اسے مجبوراً سیاست میں دھکیل دیا۔ سکھوں کی حماقت نے اتقیا کی اس جماعت کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ کی آگ میں کودیں اور اپنی قیمتی زندگیاں حق کی راہ میں قربان کریں۔ پھر گمراہ کن فتوؤں کی سیاہی نے ملت کے چہرے کو اس قدر بد نما کر دیا تھا کہ اسے دھونے کے لیے شہادت کے خون کے علاوہ پانی کے تمام ذخیرے بیکار ہو چکے تھے۔ وہابیت کی تہمت مستعار نے ذہن ماؤف کر دیے تھے۔ الحاد کا گردان پر اس قدر جم چکا تھا کہ اسے صاف کرنے کے لیے صرف شہد اکا خون ہی کارآمد ہو سکتا تھا۔

چنانچہ مئی ۱۸۳۱ء کی صبح کو یہ مقدس جماعت انتہائی کوشش اور ممکن تیاری کے ساتھ بالاکوٹ

کے میدان میں اتری اور دو پہر سے پہلے صداقت کے نہ مٹنے والے نشان دنیا کی پیشانی پر ثبت کرنے کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ. [البقرہ]

تحریر کا مزاج

پیش نظر مسئلہ کے متعلق بحث و نظر سے پہلے ضروری ہے کہ اس تحریر کا مزاج سمجھ لیا جائے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ابنائے کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عموماً حنفی فقہ کے پابند تھے لیکن ذہنی طور پر تین مقاصد کی تکمیل ان کا ریح نظر تھا۔

۱ تصوف کے غلو آمیز مزاج میں اعتدال۔

۲ فقہی اور اعتقادی جمود کی اصلاح اور اشعریت اور ماتریت کے ساتھ فقہ العراق نے تحقیق و استنباط کی راہ میں جو مشکلات پیدا کی تھیں انہیں دور کیا جائے اور نظر و فکر کی روانی میں جمود و سکون سے جو رکاوٹ نمایاں ہو چکی تھی اسے یکسر اٹھا دیا جائے۔ قرآن و سنت اور آئمہ سلف کے معیار پر نظر و فکر کو آزادی بخشی جائے۔

۳ بے عملی اور بد عملی نے چند بدعات کو جو سنت کا نعم البدل تصور کر لیا تھا اور بت پرست قوموں کے پڑوس اور مغل بادشاہوں کی عیاشیوں نے ان بدعات کو نجات کا آخری سہارا قرار دے لیا تھا۔ اس ساری صورت حال کو بدل کر اس کی جگہ ساوے اسلام کو دے دی جائے۔ فَرَكْتُكُمْ عَلَى مِلَّةِ بَيْضَاءَ لِيْلَهَا كَنْهَارِهَا. میں آپ کو اس کی تفصیل میں نہیں لے جاؤں گا نہ ہی اپنی تائید میں ان کی تصانیف سے اقتباسات پیش کر کے آپ کا وقت ضائع کروں گا۔ صرف چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت مجددؒ نے مکتوبات میں بدعات کے خلاف کس قدر کڑی تنقید فرمائی ہے۔ بدعت کی حفاظت کے لیے حسد اور سیدھ کی تقسیم اہل بدعت کو قلعہ کا کام دے رہی تھی اور عز بن عبدالسلام نے جب سے اس تقسیم کی نشاندہی کی تھی اس کے بعد سے ہندوستان میں حضرت مجددؒ ہی تھے جنہوں نے یہ قلعہ پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

سجدہ تعظیم کے خلاف گوالیار کے قلعہ میں تیس سال قید گوارا فرمائی۔ لیکن سجدہ تعظیم کی گندگی سے اپنی مقدس پیشانی کو آلودہ نہیں فرمایا۔ فقہی مسائل میں حضرت کے کچھ اختیارات تھے۔ دوسرے علمائے کی مخالفت کے باوجود حضرت مجددؒ اپنی الگ راہ پر قائم رہے۔ حنفی مسلک کے ساتھ وابستگی

کے باوجود متاخرین اور محققین کی راہ پر رجحان بالغیب چلنے سے حضرت مجدد ﷺ نے انکار فرمایا: اس کی زندہ شہادت حضرت کے مایہ ناز شاگرد مرزا مظہر جان جاناں ﷺ موجود ہیں جنہوں نے فاتحہ خلف الامام رفع الیدین عند الرکوع ”وضع الیدین علی الصدر“ ایسے مشہور مسائل میں فقہائے محدثین کی راہ اختیار فرمائی اور فقہ العراق کے ساتھ کلی تعاون سے انکار فرمایا۔^①

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا مظہر جان جاناں ﷺ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرمایا۔ ان کی تصانیف ارشاد الطالبین اور تفسیر مظہری شاہد ہیں کہ حنفی ہونے کے باوجود بدعات اور عبادتوں کے خلاف ان کا لہجہ کس قدر تلخ ہے اور بدعی رسوم سے انہیں کس قدر نفرت!

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ ابلاغ المبین، مصفیٰ اور مسویٰ انصاف، عقد الجید اور تحفۃ الموحدین میں فقہی جمود، بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ایسی حکیمانہ روش اختیار فرمائی جس سے حقیقت بہت حد تک واضح ہو گئی۔ اصول فقہ کے بعض مسلمات پر ایسی بیٹھی تنقید فرمائی جس سے ذہین طبائع کو جرأت پیدا ہو۔

ازالۃ الخفا میں بدعت تشیع کو اس قدر عریاں فرمایا کہ ذہین اور دانش مند طبائع کو محبت اہل بیت کے عنوان سے دھوکا دینے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔

ان مختصر ارشادات سے اس تحریک اصلاح اور اقامت دین کا مزاج آپ کو سمجھنا مشکل نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

دیوبندی اور اہل حدیث

یہ دونوں مکتب، فکری طور پر اسی تحریک کے ترجمان ہیں یا کم از کم مدعی ہیں کہ ہم اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل گرامی قدر ارشاد سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا مزاج کیا ہے۔

”وصیت اول ایں فقیر چنگ زون است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن اگر طاقت خواندن نہ دارد۔ ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن۔ در عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردہ اند اعراض نمودن و بتشکیکات معقولیان خام التفات

① (ابجد العلوم ص ۹۰۰ جلد ۳، مجموع العارفین ص ۷۶)

نہ کردن۔ و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میاں۔ فقہ و حدیث کردن و دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن۔ آنچه موافق باشد در چیز قبول آوردن و لاکالائے بدیریش خاوند دادن۔ امت، راجح وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست و سخن متقصہ فقہاء کہ تقلید عالمی را دستاویز ساختہ، تبع سنت را ترک کرده اند، نہ نشیدن بدیشاں الثقات نہ کردن و قربت خدا چستن بدوری ایناں۔“ ۱۱ھ [تہمہات جلد ۲ ص ۲۳۰]

ترجمہ: ”فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب و سنت کی پابندی کی جائے اور ان دونوں سے شغل رکھے اور پڑھے اور اگر نہ پڑھ سکے تو ایک ورق کا ترجمہ سنے۔ عقائد میں متقدمین اہل سنت کی پیروی کرے۔ سلف نے جن چیزوں کی تفتیش نہیں کی ان کی تفتیش نہ کرے اور خام کار فلاسفر کی پروا نہ کرے۔ فروع میں آئمہ حدیث کی پیروی کرے جن کی فقہ اور حدیث دونوں پر نظر ہو۔ فقہ کے فروعی مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرتا رہے۔ جو موافق ہوں ان کو قبول کرے باقی کو رد کر دے۔ امت کو اپنے اجتہادی مسائل کتاب و سنت پر پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ متقصہ فقہاء کی بات قطعاً نہ سنے۔ جن لوگوں نے اہل علم کی تقلید کر کے کتاب و سنت کو ترک کر دیا ہے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے ان سے دور رہ کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔“

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”نسبت ہائے صوفیہ غنیمت کبریٰ است و رسوم ایشاں بہ بیچ نئے ارزد این سخن بر بسیارے گراں خواہد بود۔ اما مرا کارے فرمودہ اند و بر حسب آں باید گفت و برگفتہ زید و عمر و تعرض نئے باید کرد۔“ [ص ۲۳۲ جلد ۲ تہمہات]

”صوفیوں سے نسبت غنیمت ہے لیکن ان کی رسوم بالکل بے کار ہیں۔ یہ بات اکثر لوگوں کو ناگوار ہوگی۔ مگر مجھے جو فرمایا گیا ہے وہی کہنا ہے۔ زید عمر کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔“ ۱۱ھ۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

((نحن لاترضی بہولاء الذین یباعون الناس لیشر و ابہ ثمنًا قليلاً او لیشر بوا

اغراض الدنيا بتعلم علم اذلا تحصل الدنيا الا بالتشبيه باهل الهداية ولا بالذین يدعون الی انفسهم ویامرون بحب انفسهم هؤلاء قطاع الطريق دجالون کذابون مفتونون فتنون ایاکم وایاهم ولا تتبعوا الا من دعا الی کتاب الله وسنة رسوله الخ۔^①

”مجھے قطعاً یہ لوگ پسند نہیں جو دنیا کمانے کے لیے بیعت کرتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ مجھے پسند ہیں جو دنیوی اغراض کے لیے علم حاصل کریں۔ کیونکہ دنیا حاصل کرنے کے لیے نیکیوں کے ساتھ تشبیہ ضروری سمجھتے ہیں۔ نہ ہی وہ لوگ مجھے پسند ہیں جو لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں۔ یہ لوگ ڈاکو اور دجال ہیں۔ خود فتنے میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو اس میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، صرف ان لوگوں کا اتباع کرنا چاہیے جو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیں۔“

”ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ریاکارانہ تصوف اور دنیا کمانے کے لیے بیعت کے سلسلوں کو قطعاً پسند نہیں فرماتے بلکہ ایسے لوگوں کو دجال، ڈاکو اور فتنہ انگیز سمجھتے ہیں۔ آج کے خانقاہی نظام اور پیر پرستی کے اداروں کی شاہ صاحب کی نظر میں کیا آبرو ہو سکتی ہے۔ دوسرے سے پیر پرستی کی دعوت ہی کو ناپسند فرماتے ہیں۔ مروجہ فقہی مسالک اور ان پر جمود کے متعلق شاہ صاحب کی مزید وضاحت۔

((رب انسان منکم یبلغه حدیث من احادیث نبیکم فلا یعمل به ویقول انما عملی علی مذهب فلان لا علی الحدیث ثم احتال بان فهم الحدیث والقضاء به من شان الکمل المہرۃ وان ائمة لم یکنوا ممن یرحی علیہم هذا الحدیث فما ترکوه الا لوجه ظہر لهم فی الدین من نسخ اور جوحیۃ۔ الخ۔)^②

”بہت سے لوگوں کو جب آنحضرت ﷺ کی حدیث معلوم ہو جاتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ فلاں شخص کے مذہب پر میرا عمل ہے۔ حدیث سمجھنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ امام اس حدیث سے بے خبر نہیں تھے۔ یہ حدیث منسوخ ہوگی یا مرجوع۔ یہ قطعاً دیانت نہیں۔ اگر پیغمبر پر ایمان ہے تو اس کا اتباع کرنا چاہیے۔ مذہب اس کے مخالف ہو یا موافق، خدا تعالیٰ کا نشانہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے ساتھ تعلق رکھا جائے۔“

① (تمہیات جلد ۱ ص ۲۱۴) ② (تمہیات جلد ۱ ص ۲۱۴)

فقہی فروع میں مسلکی جمود شاہ صاحب کو سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح وہ ظاہریت محض (امام داؤد ظاہری کا مسلک) کو بھی ناپسند فرماتے اور لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کی صحت ائمہ حدیث کی شہادت سے ثابت ہو اور اہل علم نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور اس پر صرف اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا یہ ضلال بعید ہے۔ [ص ۲۰۹ جلد ۱ ص ۲۱۱ جلد ۱]

اس قسم کی تصریحات شاہ صاحب کی باقی تصنیفات میں بکثرت موجود ہیں۔ میں نے یہ طویل سماع خراشی اس لیے کی ہے کہ اس پاکیزہ تحریک کا مزاج معلوم ہو جائے تاکہ اس کے دوسری کے اثرات کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔

ان مقاصد کے خلاف ان بزرگوں کی تصانیف میں اگر کوئی حوالہ ملے تو اس کا ایسا مطلب نہ لیا جائے جو مقاصد تحریک کے خلاف ہو بلکہ وقتی مصالح پر محمول کیا جائے کیونکہ ان بزرگوں نے جن سنگلاخ حالات میں کام کیا ہے ان کے مصالح اور ان کے مقتضیات بدلتے رہے ہیں۔ جن مشکلات میں ان حضرات کو کام کرنا پڑا ان مشکلات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شکر اللہ مساعیہم۔

شاہ صاحب کا مقام

اس تحریک میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا بزرگ ہیں کہ حضرت مجدد اور ان کے ارشد تلامذہ کی علمی اور عملی مساعی سے شاہ صاحب نے پورا پورا اثر لیا اور شاہ صاحب نے اپنے اپناؤ احفاد اور تلامذہ کو ان برکات سے علمی اور عملی استفادہ کا موقع دیا ہے۔ اس لیے میں نے شاہ صاحب کے ارشاد کو کسی قدر تفصیل سے عرض کرنا مناسب سمجھا۔

مسئلہ حیات نبوی

نیز متنازعہ فیہ مسئلہ میں مجلہ ”دارالعلوم“ کے مضمون نگار حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں حیات نبوی کی صراحت شیخ عبدالحق صاحب کے بعد صرف اکابر دیوبند ہی نے فرمائی ہے۔ ہاں شاہ عبدالحق رحمہ اللہ سے پہلے حافظ تہمتی رحمہ اللہ اور سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل رسائل لکھے ہیں۔ مگر ان سوس موضوع صاف نہیں فرما سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے اس قسم کا ذخیرہ جمع فرمایا ہے جس کے متعلق ان کے ذہن بھی صاف نہیں کہ وہ حیات ثابت فرمانا چاہتے ہیں لیکن اس کی نوع متعین نہیں فرماتے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کے رسالہ میں سبکی کے سوا حیات نبوی کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا رجحان بعض مواقع میں حیات برزخی کی طرف معلوم ہوتا

ہے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی کوشش کے باوجود آیت **اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ**۔ [سورہ زمر] اور حدیث **فَبَرَدُ اللّٰهُ عَلٰی رُوْحِی** اور حدیث **الانبياء اَحياءٌ فِی قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ** میں تعارض نہیں اٹھا سکے۔ بلکہ حافظ سیوطی نے تو حاطب لیل کی طرح ایک غیر موثق ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ جس سے حضرات قبور میں کو مد ملے گی اور سادہ دل اہل توحید کے دل شہادت سے لبریز ہوں گے۔ قریباً یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب **الروح** کا ہے۔ فحول اہل حدیث اور ماہرین رجال کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن عوام کے لیے یہ مورد مزہ اقدام ہے۔

صورتِ تصفیہ

اس لیے تصفیہ کی صحیح صورت یہی ہو سکتی ہے کہ تحریک کے مزاج کی روشنی میں شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے اور اس خاندان کے عقیدت مند مسئلہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اگر اکابر ہی کی اقتدا اور تقلید سے اس مسئلہ کو سمجھنا ہے، کتاب و سنت اور بحث و استدلال سے صرف نظر ہی کا فیصلہ فرمایا گیا ہے تو پھر اکابر کے اکابر اور بانیاں تحریک کے نظریات سے کیوں استفادہ نہ کیا جائے؟ مولانا حسین احمد مرحوم اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مرحوم کی رائے فیصلہ کن ہے تو بانیاں تحریک اور تحریک کے مدارج کو حکم کیوں نہ مان لیا جائے؟

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت اور عبقریت نے پوری تحریک کو نظریات اور تصورات کی دنیا سے عمل کے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اشارات اور تعریضات کو تصریحات سے بدلا۔ جو کچھ کتابوں کے اوراق کی زینت تھا اسے بالاکوٹ کے میدان میں علی راہی الشام رکھ دیا گیا۔ سکھوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا کہ حق و صداقت ایثار و قربانی کے جوہر، مناظرات اور مکالمات ہی سے ظاہر نہیں ہوتے۔ ان کے ظہور کا بہت بڑا ذریعہ تلوار اور میدان جنگ ہی ہے۔ قلم کی دوزبانوں اور دوات کی روشنائی سے جو کچھ کیا جاسکتا تھا اس سے کہیں زیادہ قوت گویائی خون کے چھینٹوں میں ہے۔ اس لیے لگ رنگ قطرات، ہزاروں زبانوں پر تالے ڈال سکتے ہیں اور وہ برسوں گنگ ہو سکتی ہیں اور سینکڑوں دلوں سے تالے اتار کر انہیں فہم و فراست عطا کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ کام اصحاب التدریس اور ارباب التصانیف کا نہیں۔ یہ وہ لوگ کریں گے جو کاغذ اور دوات، قلم اور روشنائی کے علاوہ سیف و سنان سے نہ صرف واقف ہوں

بلکہ انہیں آلاتِ حرب سے گہرا تعارف ہو! ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاکِ طینت را

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک کے مقاصد کی اشاعت کے لیے شہادت سے پہلے تقویۃ الایمان لکھی اور ساتھیوں کے مشورہ کے بعد اسے شائع فرمایا۔ تذکیر الاخوان کا مسودہ لکھا۔ معترضین کے جوابات لکھے اور یہ سب کچھ تحریک کی تائید اور اس کے مقاصد کی روشنی میں تھا۔ آج اگر اکابر دیوبند اور علمائے اہل حدیث کوئی ایسی چیزیں فرمائیں جو تحریک کے مزاج سے متصادم ہوں تو اسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ ستیزہ کار رہا ہے ابد سے نامروز

تیسرا ہنگامہ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے احیائے سنت اور تجدیدِ اثرِ دین کی راہ میں جہاں عظیم الشان قربانیاں پیش کیں وہاں ایک تحریک اس کے بالمقابل شروع ہوئی جس نے بدعات کے جواز میں دلائل کی تلاش کی اور عوام کی بد عملی کے لیے وجہ جواز پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بدعت ہر زمانہ میں رہی، حالات کے ماتحت اس کی مختلف صورتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ بدعت کا وجود کبھی منظم طور پر موجود رہا۔ مغل حکومت میں بدعت عام تھی لیکن بظاہر غیر منظم۔ اسے ترجمانی کے لیے علما کی باقاعدہ خدمات میسر نہ آسکیں۔

مغل زوال کے بعد سکھ، مرہٹے، انگریز، اہل توحید سب نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ موحدین کے لشکر کی سیاسی شکست نے اہل بدعت پر سکتہ طاری کر دیا۔ لیکن باطل نے اقتدار کی زمام سنبھال لی۔ ۱۸۵۷ء کے معرکہ حریت میں اسے محسوس ہوا کہ علما کی خدمات کے بغیر اقتدار پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ جو کدہ یا بندہ اسے کچھ ”اہل علم“ میسر آ گئے جن سے انگریز کا کام چل نکلا۔ تحریک توحید کی سرپرستی رائے بریلی کے ایک فقیر نے فرمائی تھی۔ شرک و بدعت کی سرپرستی بانس بریلی کے ایک خاندان کے حصہ میں آئی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ خاندان میں پڑھنے پڑھانے کا چرچا موجود تھا۔ سن رشد کو پہنچے۔ بقول موصوف ان کے والد مولانا نقی علی خاں نے اپنے ہونہار فرزند کو ۱۲۸۶ھ میں مسند افتاء پر بٹھا دیا۔ خاں صاحب نے مسند سنبھالتے ہی بدعت کی تائید اور شرک کی حمایت شروع فرمائی۔

شرک کو مدلل اور اہل بدعت کو منظم کرنے کے لیے موصوف نے اپنے اوقات عزیز وقف

فرمادیے۔ کوشش فرمائی کہ عوام میں جس قدر بد عملی اور بدعی رسوم موجود ہیں ان سب کو سنبھال جواز عطا فرمائی جائے۔ عوام کو معاصی پر جرأت دلائی جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر ہر بدعت جائز قرار پاجائے۔ خان صاحب کی چھوٹی موٹی تصانیف کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد نبی سبیل اللہ فساد کے سوا کچھ نہیں۔ ان تصانیف میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے مسلمانوں کی دینی، معاشی یا سیاسی زندگی میں تبدیلی نمایاں ہو سکے۔ خان صاحب نے مدۃ العمر کسی سیاسی یا علمی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ ہزاروں مسلمان جناب کے علم اور قلم کے زور سے کافر قرار پائے اور ان ساری کوششوں میں انگریز کا دستِ شفقت خان صاحب کو سہارا دیتا رہا۔

مخالف توحید تحریک کی ناکامی www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ رضا خانی تحریک کا براہ راست مقابلہ کتاب و سنت سے اور اس کی جنگ مجاہدین اسلام اور شہدائے حق سے تھی۔ ان کی تکفیر کا نشانہ شہدائے بالا کوٹ تھے۔ ان لوگوں کا ”خوش گوار“ مشغلہ صرف تقویۃ الایمان، نصیحة المسلمین، راہ سنت اور کتاب التوحید ایسی مدلل کتابوں بلکہ قرآن عزیز کے بھی بعض بنیادی حصص کی تردید کرنا ہی رہ گیا تھا۔۔۔ اور ان کے مد مقابل جو لوگ تھے، وہ تھے اکابر اولیاء اللہ وہ جنہوں نے کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور مسلمانوں میں احيائے جہاد میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں! ظاہر ہے ان مقدس ہستیوں کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں مل سکتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنَّهُ بِالْحَرْبِ [مُحْكَمَةٌ] یعنی ”جو میرے اولیاء سے دشمنی رکھے، میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔“ چنانچہ یہ تحریک حق تعالیٰ کے غضب کی گرفت میں آ گئی۔ جس کے نتیجے میں ان میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہو گئیں جن کے ہوتے ہوئے ان حضرات کی کامیابی ناممکن ہے۔ وہ خصوصیات مختصر اذیل میں معروض ہیں۔

- ① اہل حق اور اقیانے بغض۔
- ② زبان درازی و بزرگانی۔
- ③ مسلمانوں کی تکفیر۔
- ④ بے ضرورت اور بے مقصد مسائل پر زور۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کو اب بھی دنیوی زندگی حاصل ہے وغیرہ!
- ⑤ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و موجود ہیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات اور خصائص اپنے بندوں کو دے دیے ہیں۔۔۔ یعنی تمام اولیاء۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ عطائی و وہبی خدا ہیں۔
- ⑦ قریباً تمام سیاسی لیڈر اور تمام سیاسی جماعتیں کافر و مرتد ہیں۔

[ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ ملفوظات منجانب اہل البدع وغیرہ و دیگر ”ارشادات“ بریلویہ]

واقعات شاہد ہیں کہ یہ لوگ بالکل باطنی فرقہ کے نقش قدم پر چل پڑے ہیں اور توحید و سنت کی ترقی سے کچھ بوکھلا سے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بالکل یاس کی حالت طاری ہو گئی ہے اور مولانا محمد اسماعیل شہید قدس اللہ روحہ جیسی ہستی کی بے ادبی کرنے کی سزا ان کو یہ ملی ہے کہ ان کے بزرگوں سے علم سلب کر لیا گیا ہے۔ سمجھ دار اور علما ان حضرات میں روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ جہلا کے ساتھ ربط عوام کی شورش و شرارت پسندی کے سوا دنیا میں ان کا کوئی سہارا نہیں! اہل توحید کی مساجد پر قبضے، شرفا پر قاتلانہ حملے، خانقاہوں کے مجاوروں کی سفارشوں اور رشوتوں سے مقدمات جیتنا ان حضرات کا پاکستان میں عمومی مشغلہ ہے۔ مگر مشترکہ امور میں عوام سے اشتراک دوسری جماعتوں کے شیعوں سے اور معقولیت سے گفتگو کرنے، افہام و تفہیم اور نزاعی امور میں اصلاح سے عموماً اس جماعت کے اکابر پر ہیز کرتے ہیں۔ احساس کہتری اور لامساس کے مرض میں عموماً یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصلاح ذات البین کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ مختلف الخیال جماعتیں مل کر اپنے تنازعات کا منصفانہ فیصلہ کر سکیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باطنی فرقہ کی طرح یہ حضرات فسادات کو سرمایہ حیات سمجھتے ہیں۔

محل نزاع

اس موضوع پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں محل نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ امام بیہقی نے ائمہ حدیث کی طرح اس موضوع کے متعلق مواد جمع فرمایا ہے۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح اور حیات الانبیاء سے استفادہ بھی فرمایا اور بعض احادیث کی توجیہات بھی کی ہیں۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح سے تو استفادہ فرمایا ہے لیکن معلوم نہیں قصیدہ نونہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قصیدہ نونہ میں حافظ ابن القیم نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے۔

اہل حدیث اور فقہاء

اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے و اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہدا اور انبیاء زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات، تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسب حال اور حسب ضرورت دیا جاتا ہے۔ شہدا کے متعلق حیات کی وضاحت قرآن عزیز میں موجود ہے۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام

کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ پاکستان میں جو لوگ توحید کا وعظ کہتے ہیں وہ عقائد کی اصلاح کے سلسلے میں مبینوں مسلسل سز کرتے ہیں۔ انبیاء اور شہدا کی برزخی زندگی اور اس زندگی میں مراتب کے تفاوت کے قائل ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ بالکل درست ہے۔

جو شخص قبر میں عذاب یا ثواب کو احادیث نبویہ کی روشنی میں مانتا ہو وہ ان صلحا کے متعلق عدم محض و فقدان صرف کا قائل کیوں ہوگا۔ ہاں مراتب کا فرق یقینی ہے۔ انبیاء کا مقام یقیناً شہدا سے اعلیٰ و ارفع ہونا چاہیے۔ بحث اس میں ہے کہ آیا یہ زندگی دنیوی زندگی ہے؟ دنیوی زندگی کے لوازم اور تکالیف ان پر عائد ہوتی ہیں؟ قبور میں نماز یا تسبیح برزخی طبیعت کا تقاضا ہے؟ یا شرعی تکلیف کا نتیجہ؟ جو لوگ دنیوی زندگی کے اس معنی سے قائل ہیں ان سے واقعی اختلاف اور آئندہ گزارشات میں مولانا انظر اور مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کی چھان پھلک اسی زندگی کے پیش نظر کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کی سلامتی اور مٹی سے غیر متاثر ہونا اس میں بھی اختلاف نہیں۔ غرض جو کچھ کتاب و سنت میں صراحتاً آیا اور صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں اس میں کوئی نزاع نہیں۔

حیات النبی ﷺ کے متعلق بریلوی عقیدہ

اس معاملہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قابل شکر یہ ہیں۔ انہوں نے موضوع کو وضاحت سے سامنے رکھا ہے دلیل ہو یا نہ ہو لیکن انہوں نے فرمانے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔ فرماتے ہیں:

((فانہم (الانبیاء) صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہم طیبون طاہرون احياء و امواتا بل لاموت لہم الا انیا تصدیقا للوعد ثم ہم احياء ابدًا بحیات حقیقیة دنیاویة روحانیة و جسمانیة کما هو معتقد اهل السنة و الجماعة (بریلویة) و لذللا یورثون و یمتنع تزوج نساء ہم صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہم بخلاف الشهداء الذین نص الكتاب العزیز انہم احياء و نہی ان یقال لہم اموات۔))^①

خان صاحب فرماتے ہیں ”انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کے لیے موت آتی ہے۔ اس کے بعد روحانی اور جسمانی لحاظ سے ان کو حقیقی زندگی اور ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہل سنت کا

① (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۶۱۰)

عقیدہ ہے (مگر جو اہل سنت ہیں ان کی کتابوں میں نہیں) اسی لیے ان کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں۔ لیکن شہدا کی زندگی اس کے خلاف ہے ان کا ترکہ بھی تقسیم ہوتا ہے اور بیویاں بھی نکاح کر سکتی ہیں۔“ اور اس قسم کی صراحت خان صاحب نے فتاویٰ رضویہ ص ۶۱۱ میں فرمائی ہے۔

دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی

مولانا حسین احمد صاحب مرحوم مکاتیب میں فرماتے ہیں ”آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر (اھ ص ۱۳۰ جلد ۱) سنا ہے۔ مولانا نانوتویؒ اور بعض اکابر دیوبند بھی اسی قسم کی حیات کے قائل تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے بھی مدارج النبوة میں حیات دنیوی کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے سبکیؒ سے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ لیکن عام فقہاء اور محدثین احناف، شوافع، ممالک، حنابلہ رحمہم اللہ سے اس قسم کی صراحت منقول نہیں ہوئی۔ حضرات دیوبند سے بھی حضرت مولانا حسین علی مرحوم (واں پھر ان) اور ان کے تلامذہ مولوی نصیر الدین صاحب وغیرہ بھی صراحتاً اس کے خلاف ہیں۔

غور و فکر کے لیے چند گزارشات

- (۱) یہ ایسا خیال ہے کہ امت میں کتنی کے دس آدمی بھی نہیں جو اس کی صراحت کرتے ہوں اور اسے اجتماعی عقیدہ کہنا اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔
- (۲) اسے متواتر کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ متواتر کی کوئی شرط بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ کم از کم متواتر میں حواس کا ادراک لازمی ہونا چاہیے۔ قرآن جس زندگی کو خارج از شعور فرما رہا ہے وہاں حواس اور اس کے استعمال اور ادراک کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔
- (۳) جس اصلاحی تحریک کے ساتھ تعلق کی بنا پر آپ حضرات کو وہابیت کا سرخاب لگایا گیا اس کے مزاج میں تو سماع موتی کی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، حیات دنیوی اس میں کہاں سجے گی۔ مرحوم مولانا حسین علی صاحب (واں پھر ان) اور پوری جماعت اہل حدیث نے کتاب و سنت اور اس مقدس تحریک کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ان ”الہامی“ ادہام کا انکار کر دیا۔

و کنا دلیلی فی صعود من اطوی

فلما تواترنا ثلث و ذلت

(۴) خاں صاحب بریلوی اور مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انبیا کی حیات کو شہدا کی منصوصی حیات سے ممتاز فرمایا ہے کہ انبیا کی حیات اقوی ہے مگر اس طرح شہدا کو مقیس علیہ قرار دے کر انبیا کی حیات کو ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔ اقوی کو اضعف پر قیاس کرنا اصول کی تصریحات کے خلاف ہے۔

(۵) انبیا کے ترکہ کی تقسیم اور نکاح ازواج کی حرمت کی علت اگر واقعی دنیوی زندگی ہے تو اس کا حکم شہدا کی ازواج اور ترکہ کے متعلق بھی وہی ہونا چاہیے۔ خاں صاحب اور مولانا نے اس میں خلاف کی صراحت فرمائی ہے۔ اس لیے حیات انبیا کے لیے سورہ بقرہ اور آل عمران کی آیات کو اساسی نہیں قرار دینا چاہیے۔

(۶) ایسے اوہام کو عقیدہ کہنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کتب عقائد (شرح عقائد نسفی عقیدہ طحاویہ شرح العقیدہ الاصفہانیہ عقیدہ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محل نظر ہے۔ عقیدہ کے لیے حسب تصریح متکلمین و اشاعرہ و ماترید یہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ حیات انبیا کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیحہ سے بھی فرود تر ہیں۔

كَمَا لَا يَنْفَعِي عَلِيٌّ مَنْ لَهُ نَظَرٌ فِي فَنِّ الرَّجَالِ.

(۷) آنحضرت ﷺ کے انتقال کے وقت بعض امہات المؤمنین کی عمر بہت کم تھی۔ خاں صاحب بریلوی نے اہل اللہ کی حیات دنیوی کے ساتھ شب باشی کا راستہ بھی کھول دیا۔ (ملفوظات جلد ۳ ص ۳۶) (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اکابر دیوبند صرف زندگی کے قائل ہیں اور خیال فرماتے ہیں کہ عقلاً زندگانی کافی ہے۔ حالانکہ حقوق زوجیت کے لیے صرف حیات کافی نہیں۔ کیا اس قسم کے بھونڈے استدلال سے پرہیز ہی زیادہ مناسب تھا؟

(۸) موت کی پوری حقیقت تو معلوم نہیں بظاہر فوت جسم اور روح کے انفصال کا نام ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس پر شریعت نے عدت اور تقسیم ترکہ کے احکام مرتب فرمائے ہیں۔ اہل سنت موت کے جسم اور روح کے غیر شعوری تعلق کو مانتے ہیں۔ عدم محض اور کلی فقدان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کا آخری حصہ بالکل بے ضرورت ہے۔ پاکستان کے اہل توحید، انبیا علیہم السلام کے متعلق موت کی کسی نئی قسم کے قائل نہیں۔

(۹) دنیوی زندگی ماننے سے کوئی عقلی مشکل تو قطعاً حل نہیں ہوگی البتہ بیسیوں مشکلات اور سامنے آ جائیں گی جن کا حل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

عقل مند آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ نبی کو دیوار کی اوٹ میں چھپانے میں کیا حکمت ہے اور اس سے کیا حاصل؟ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر کیسے تشریف رکھی؟ حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں طلب کیا؟ کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ والد کی زندگی میں یہ مطالبہ درست ہی نہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حدیث نحن معاشر الانبیاء فرما کر ان کو مطمئن فرمایا۔ یہ کیوں نہ فرمایا کہ مطالبہ قبل از وقت ہے۔ فتنہ ارتداد اور بعض دوسرے مصائب میں نہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کیا نہ آنحضرت ﷺ نے کوئی مفید مشورہ دیا۔ حالانکہ زندگی میں بوقت ضرورت دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حافظ ابن القیمؒ کیا خوب فرماتے ہیں:

لو كان حيا في الضريح حياته	قبل الممات بغير ما فرقان
ما كان تحت الارض بل من فوقها	والله هذي سنة الرحمن
اتراه تحت الارض حيا ثم لا	يفتيهم بشرائع الايمان
ويريح امته من الآراء	والخلف العظيم وسائر البهتان
ام كان حيا عاجزا عن نطقه	وعن الحواب لسائل له فان
وعن الحراك فما الحياة اللات قد	اثبتموها اوضحوا بيان ①

”اگر آنحضرت ﷺ کی زندگی دنیوی ہے تو زمین کے نیچے کی بجائے عادت کے مطابق زمین کے اوپر رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ زمین کے نیچے زندہ ہوں اور فتویٰ نہ دیں۔ صحابہؓ کو اختلاف اور ان پر بہتان سے نہ بچائیں۔ اگر زندہ ہوتے تو سوال کا جواب دیتے نیز اگر حرکت کرنے سے عاجز ہیں تو پھر زندگی نہ رہی جسے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔“

دنیوی زندگی ماننے کی صورت میں اس قسم کے سینکڑوں عقلی سوال آپ پر عائد ہوں گے اور اسلامی تاریخ ایک معمہ ہو کر رہ جائے گی۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت، حضرت حسنؓ کی صلح، مختار بن عبید ثقی کی عیاریاں، حرہ کا فتنہ، مسیلہ اور اسود کی نبوت، حجاج بن یوسف کے مظالم، عباسی انقلاب، سقوط بغداد اور ترکوں کے مظالم، قادیانی نبوت ایسے حوادث، لیکن کہیں بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ آنحضرت ﷺ مداخلت فرمائیں۔ مسجد کے ایک خادم کی موت پر

حضرت بے قرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تعزیت کے لیے بھی تشریف نہ لائیں۔ عقل مند اور ذہین لوگ آپ سے دریافت کریں گے کہ آخر یہ کیوں ہے؟ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تلخی بالکل بر محل ہے۔

يا قومنا استحيوا من العقلاء والمبعوث بالقرآن والرحمان
والله لاقد والرسول عرفتم كلا ولا النفس والانسان
من كان هذا القدر مبلغ علمه فليستتر بالصمت والكممان
ولقد ابان الله ان رسوله ميت كما قد جاء في القرآن ①

”اے قوم! تمہیں خدائے ذوالجلال، قرآن اور عقل مندوں سے شرم محسوس ہونی چاہیے۔ تم نے آنحضرت ﷺ کی قدر کو پہنچا، نہ انسانیت اور روح کی اقدار کو تم نے سمجھا۔ جس کا اسی قدر مبلغ علم ہو اسے خاموش ہو کر چپ رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر موت وارد ہو چکی۔“

انبیا کی حیات دنیوی، اہل بدعت کا مذہب ہے

ابن القیم کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حیات دنیوی اہل بدعت اور معطلہ کا مذہب ہے۔ قصیدہ نو نیس ص ۱۴۰ ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں: ”ہماری یہ شہادت ہے کہ تم زمین پر قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے نہ آسمان پر خدا کو تم قابل اطاعت سمجھتے ہو اور نہ ہی تمہارے خیال میں آنحضرت ﷺ قبر میں مدفون ہیں۔“

اگر مولوی احمد رضا اس قسم کی بہکی باتیں کہیں تو تعجب نہیں اہل توحید اور مدرسین حدیث سے اس قسم کے خیالات کا اظہار تعجب انگیز ہے۔

کیا موت انبیا کے لیے موجب توہین ہے؟

یہ سمجھ نہیں آیا کہ انبیا علیہم السلام اور اہل اللہ کے حق میں ہم موت سے گھبراتے کیوں ہیں؟ موت کوئی بری چیز نہیں، نطفہ سے شروع ہو کر قبض روح، طفولیت، صبا، مراهقت، شباب، کہولت، شیخوخت زندگی کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ عوارض ہیں۔ مگر انبیا، صلحا، اہل اللہ سب کو اس راہ سے گزرنا ہے۔ اس لیے کسی کے لیے ان میں کوئی منزل نہ تو خوشگوار ہے نہ موجب توہین۔ زندگی بہر حال ان منازل ہی سے تعبیر ہے۔

قرآن عزیز نے فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَوَةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک) یعنی موت و حیات اسی دارالابتلا کی منازل ہیں جن سے ہر انسان کو گزرنا ہے۔ دنیوی زندگی سے آخرت تک پہنچنے کے لیے موت ایک پل ہے جسے سب کو عبور کرنا ہے اس میں نہ تخفیر ہے نہ اہانت۔ اگر موت کوئی بری چیز ہے تو انبیا اور صلحا پر اسے ایک آن کے لیے بھی نہیں آنا چاہیے اور اگر واقعی آخرت کے سفر کی یہ بھی ایک منزل ہے تو اس کے لیے بیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ اسے اسی قانون سے آنا چاہیے جو ساری کائنات کے لیے اس کے خالق نے تجویز فرمایا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: لَعَلِّي لَا أَلْقَاكَ بَعْدَ عَامِي هَذَا [مجمع الزوائد] شاید میں تمہیں آئندہ نہ مل سکوں۔ اسی طرح ایک خاتون سے فرمایا: ان لم تجدینی فاتی ابا بکر (مشکوٰۃ) ”اگر میں زندہ نہ رہا تو تم (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔“ سورہ نصر کے نزول پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ آپ رو دیے۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ سنا اور ایک لمحہ کے لیے اسے ناپسند نہیں فرمایا۔ تاریخ، سیرت اور سنت کے دفاتر موت کے حوادث سے بھر پور ہیں۔ پھر معلوم نہیں ہم لوگ اس کے ذکر سے لرزہ بر اندام کیوں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے تذکرہ سے از دیوبند تا بریلی ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی وفات، موت، تجہیز و تکفین، دفن کے عنوان موجود ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے گھبراہٹ کیوں ہوتی ہے؟ بعض امہات المؤمنین نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سر کے بال کٹوا دیے۔ اس لیے کہ اب ان کی ضرورت نہیں۔ [صحیح مسلم] بعض امہات المؤمنین نے سر بالکل منڈا دیا۔ [مجمع الزوائد] کیونکہ حضرت انتقال فرما چکے، اسے موت کہتے وصال کہتے۔ آنحضرت ﷺ کو خلوت گزین فرمائیے کوئی عنوان اختیار فرمائیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم اور روح کا دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے۔ یہی موت ہے جو برزخی احوال اور قبر کی زندگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا ایک صحیح ذریعہ ہے۔ آپ فرمائیں کہ عالم برزخ میں موت اور زندگی میں ترادف ہے تو مجھے اس اعتراض سے انکار نہیں مگر موت کا انکار اہل علم سے ایک شرمناک سانحہ ہے۔

عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی

عنوان اور تعبیرات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ مولانا حسین احمد کی جلالتِ قدر اور مولانا نانوتوی کی غزواتِ علمی اور شیخ عبدالحق کی سادگی اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔ جس کا

اقرار قرآن حکیم نے محکم آیات میں فرمایا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع فرمایا ہو اور دنیا کی تاریخ نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ غرض موت سے گھبراہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں یا پھر صراحت فرمائیے کہ موت بری چیز ہے اس میں حقارت پائی جاتی ہے اور اسے ایک لمحہ کے لیے بھی مت تسلیم فرمائیے۔ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کفر ہے۔

کراہیۃ الموت

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے موت سے کراہت کفر کی علامت ہے۔ یہودی اور مشرک موت کو ناپسند کرتے تھے۔ وَلْتَجِدْنَهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيٰوَةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ. (۹۶:۲) ”یہودی اور مشرک دنیوی زندگی کے زیادہ خواہش مند تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہزار ہزار سال زندہ رہیں۔ لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں عذاب بہر حال ہو کر رہے گا۔“ غزوہ احد میں منافق بھی موت ہی سے گھبراتے تھے۔ قرآن عزیز نے فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِزُّكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ.

”تم کج گنبدوں میں بھی قیام کرو موت ضرور آئے گی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ مباہلہ

انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت جن کا مستقبل انتہائی تابناک اور روشن ہے وہ اس سے کیوں گھبرائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فدائے روحی نے مخالفین کو دعوتِ مباہلہ دی۔ ہم اگر ان سے موت کی نفی کریں تو مدعی سست اور گواہ چست کی مثال صادق آئے گی۔ اہل توحید کا مقام ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح وہ راضی برضا ہیں۔ نہ زندگی سے مسرت نہ موت کا غم جو حکم آئے اس کے لیے ہر وقت تیار۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے مولانا بریلوی ایک آن کے لیے موت تسلیم کرتے ہیں! اگر موت مقامِ نبوت کے منافی ہے تو ایک آن کے لیے بھی کیوں ہو۔ اگر یہ منافی نہیں تو ان کے لیے اس قانونِ قدرت کو کیوں بدلا جائے!

خان صاحب بریلوی کی طویل ایک ”آن“

خان صاحب بریلوی کی ”آن“ تو اتنی طویل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال سوموار کو ہوا، دن بدھ کو فرمایا گیا۔ گھر والوں نے چیمیز و قمیض کے انتظامات کیے دوسرے ساتھیوں نے سقیفہ بنی

ساعده میں آئندہ خلافت کے متعلق دانش مندانہ فیصلہ فرما دیا۔ آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ ؓ نے پڑھی۔ خان صاحب قبلہ کی ریڑھی کی آن ختم نہ ہو سکی یا پھر ملائکہ کو اور صحابہ ؓ کو آنحضرت ﷺ کی دنیوی زندگی کا احساس نہ ہوا۔ تیسرے دن اشک بار آنکھوں کے ساتھ جیتے پیغمبر کو دفن کر دیا۔ اس زندگی کو نہ بیویاں سمجھ سکیں نہ حضرت فاطمہؓ جان سکیں۔ مشہد کے شیعہ حضرات آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ درگور کرنے والے آیا آنحضرت ﷺ کے سچے ساتھی تھے؟ علمائے ہیئت دریافت کریں گے یہ آن کتنے گھنٹوں کی تھی؟

بالعقول الطائشہ! وباللمضحکات! وقد صدق ابن القیم
والله ما قدر الرسول عرفتم کلا ولا النفس والانسان

حیات شہدا کی تحقیق اور اس کی نوعیت

کفار موت کو عدم محض یا کلی فقدان سمجھتے تھے۔ قرآن نے موت کے اس اصطلاحی مفہوم کا شہدا کے حق میں انکار کیا یہ درست ہے لیکن قتل کے عنوان سے جسم اور روح کے انفصال کا اعتراف فرمایا یا ان کا خیال تھا کہ موت کے بعد داعی فنا میں ان اعمال پر کوئی جزا مرتب نہ ہوگی۔ قرآن نے اسی معنی سے نفی فرمادی اور اس دنیا سے رخصت کے بعد رزق اور نئی زندگی کا اعلان فرمایا جو دنیوی زندگی سے مختلف ہوگی۔ اتنی مختلف کہ دنیا والے اس کا شعور بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن موت بمعنی انفصال روح سے انکار قطعاً غلط ہے اور ہدایت حسی سے جنگ۔
وَلَا يَرْغَبُ عَنْ نَفْسِهِ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ.

پھر یہ زندگی اگر دنیوی زندگی ہی تھی تو لا تشعرون کیوں فرمایا گیا اور انسان اس قدر بے شعور ہیں کہ اس زندگی کو بھی نہیں سمجھتے جس کی زلف پریشان کے بناؤ سنگار میں پوری زندگی صرف ہو رہی ہے۔ یہ تو وہی سونسطائیت ہوئی جسے عقل گوارا کرتی ہے نہ نقل اس کی تائید کرتی ہے۔

سابقہ عمومی گفتگو کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی اور محل نزاع کی تعیین کے بعد دونوں بزرگوں نے جو دلائل ارقام فرمائے ہیں وہ خود بخود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آیات اور احادیث اور ائمہ سلف کے اقوال میں دنیوی زندگی کا ذکر بالکل نہیں اور حضرات علمائے کرام کی آقا قابل احترام ہونے کے باوجود شرعاً حجت نہیں۔ اس کے باوجود مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کمزور تمسکات پر بھی مختصر گفتگو ہو جائے۔

قرآن عزیز نے شہداء کی زندگی کا ذکر سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔

[سورہ بقرہ]

وَلَا تَحْسَبِ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔

[آل عمران]

دونوں آیات شہدائی زندگی میں نص ہیں۔ اہل سنت کے مکاتب فکر سے کسی نے اس زندگی کا انکار نہیں کیا۔ حضرت مولانا حسین احمد فرماتے ہیں: ”آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی از قبیل دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔“ (مکاتیب جلد ۱ ص ۱۳۰ بحوالہ دارالعلوم نومبر ۱۹۵۷ء)

مولانا شہدائی زندگی کو روحانی سمجھتے ہیں اور انبیاء کی جسمانی زندگی کو اس سے قوی تر۔ ظاہر ہے کہ حسب ارشاد مولانا یہ آیت روحانی، برزخی اور کمزور زندگی کے لیے دلیل بن سکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیوی، جسمانی طاقت و زندگی اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے لیے یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی، نہ ہی اس پر اس کا قیاس درست ہو سکتا ہے۔

آپ حضرات بھی جانتے ہیں کہ شہدائی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں، ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور انبیاء کی زندگی چونکہ قوی تر ہے اس لیے نہ ان کی ازواج نکاح کر سکتی ہیں نہ ان کا ترکہ تقسیم ہو سکتا ہے۔ اندریں صورت یہ آیت اس کے لیے کیا دلیل ہو سکے گی؟

شہدائی زندگی کے متعلق سورہ بقرہ میں لا تشعرون فرمایا ہے۔ یعنی یہ زندگی تمہارے شعور سے بالا ہے۔ آل عمران میں احیاء عند ربہم یرزقون فرمایا۔ محط فائدہ کی قید زائد ہے۔ عند اللہ کا تعلق احیاء سے ہو یا یرزقون سے دونوں عند اللہ ہوں گی فی الدنیا نہیں ہوں گی۔ اس لیے شہدائی زندگی تو بھص قرآن عند اللہ ہے اور انبیاء کی برزخی زندگی جسمانی دنیوی ہے۔ و بینہما بون اس لیے انبیاء کی زندگی کے لیے ان آیات سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ اب آپ حضرات اگر اس گزارش سے متفق ہوں تو شہداء کی زندگی کے متعلق تو کوئی اختلاف نہیں رہے گا اور حیات دنیوی پر ان سے استدلال بھی درست نہیں ہوگا۔ جب زندگیاں ہی دونوں الگ الگ ہیں تو نہ ایک کا قیاس دوسری پر ہو سکے گا نہ ایک کے دلائل دوسری کے لیے دلیل بن سکیں گے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے معاد رزق سے اگر دنیوی معاد سمجھا ہے تو یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا

کیونکہ شہدائی زندگی جب عند اللہ ہے تو دنیوی رزق وہاں کیسے جاسکتا ہے۔ اگر معتاد برزخی مراد ہے تو حیات دنیوی کے لیے یہ رزق دلیل نہیں بن سکے گا۔

رزق سے استدلال بے معنی ہے

ایسے رزق سے زندگی پر استدلال بالکل بے معنی اور غلط ہے۔ رزق تو انبیاء اور شہداء کے علاوہ برزخ میں باقی ایمان دار مرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ ارشادِ باری پر غور فرمائیں:

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا كَبُرَتْ فَنَهَّمَ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَبِيرٌ الرَّازِقِينَ۔ [الحج: ۴۲: ۵۸]

آیت میں موت اور قتل دونوں پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس جب رزق طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے تو رزق سے زندگی پر استدلال صحیح نہ رہا۔ آپ حضرات کے نظریات سے لازم آتا ہے کہ کوئی بھی مرتا نہیں۔ یوں ہی موت کا لفظ لغت میں رکھ لیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحقیق

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”آرے ارواح شہیداں از تمحعاتِ ایں جہان و تکلیفاتِ دنیا دور افتادہ اند۔ اما تمحعاتِ جسدانیہ بے تکلیفاتِ دارند۔ اصلاً روئے غم و الم نئے بینند۔ بر حقیقت حیاتِ ایشاں اتم از حیاتِ دنیوی است۔“ [تفسیر عزیزی ص ۴۷۱]

”یعنی شہداء کی روحیں اس دنیا کے فوائد اور تکلیفات سے تو بہت دور جا چکی ہیں۔

لیکن عالم برزخ میں ان کو دوسرے اجسام (سبز پرند وغیرہ) عطا ہوتے ہیں۔ ان سے وہ بے تکلف مستفید ہوتے ہیں۔ انہیں فکر اور غم نہیں ہوتا۔ ان کی یہ زندگی دنیا کی زندگی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔“

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

”ایں نوع تعلق کہ ارواح شہداء را با جانوراں پرندہ بہم میرسید ہم بیرون از عالم عناصر است (ص ۴۷۱)“ شہداء کا جن پرندوں سے تعلق ہے یہ بھی اس غصری دنیا سے بالکل الگ ہیں۔“

”ص ۴۷۲“ ”پس حیاتِ شہداء اور عالم برزخ حیاتِ جزائی است نہ حیاتِ ابتدائی۔ اھ“

”برزخ میں شہدائی زندگی جزائے اعمال کے لیے ہے۔ ابتدائی اور اعمال کی زندگی نہیں۔“

شاہ صاحب کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہدا کی زندگی اس عصری دنیا کی زندگی نہیں بلکہ وہ عالم برزخ اور دارالجزا کی زندگی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے ان اکابر کو دنیوی زندگی کہاں سے سمجھ میں آئی اور دنیوی زندگی سے ان کو کیوں محبت ہے۔ دنیوی زندگی کو ترجیح کفار کا خیال تھا۔ ان ہی الاحیائنا الدنیا۔ (جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے) انبیا اور شہدا کے تو تصور میں بھی ایسا نہیں آسکتا۔ ابن القیم کا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

والله لا الرحمن اثبتتم ولا ارواحکم یا مدعی العرفان
عظمتم الابدان من ارواحها والعرش عظمتم من الرحمن
جیسا کہ گزرا یہ عقیدہ ابن قیم کی تحقیق کے مطابق فرقہ معطلہ کا تھا۔ عقائد کے بارے میں یہ لوگ اپنے وقت کے بدعتی تھے۔ اہل سنت کا عقیدہ شہدا اور انبیا کی حیات دنیوی کا نہیں حیات برزخی ہے؛ جس کی صراحت شاہ صاحب نے فرمائی ہے۔

علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات

شیخ شہاب الدین ابوالفضل السید محمود آلوسی بغدادی نے ۱۲۷۰ھ جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق، عراق کے مفتی اور مسلک حنفی ہیں۔ روح المعانی (پارہ ۲ بقرہ) میں اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے حیات شہدا کے متعلق پانچ مسائل کا ذکر فرمایا ہے۔ اول جسمانی، دوسری روحانی، باقی مسائل باطل ہیں۔ پہلے مسلک کے متعلق فرماتے ہیں۔ یہ راجح ہے۔ ابن عباس، قتادہ، مجاہد، حسن، عمرو بن عبید، واصل بن عطا، جبائی، رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی پسند کیا ہے۔

جسم کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض اسی جسم کے قائل ہیں جس پر شہادت وارد ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حیات کا تعلق پرندوں سے ہے جن کا رنگ سبز ہوگا۔ ان کے آشیانے قدیلین ہوں گی۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ دنیوی جسم سے ملتا جلتا جسم ان کو عطا ہوگا اس کے بعد فرماتے ہیں:

((وعندی ان الحیوة ثابتة لكل من یموت من شہید وغیرہ وان الأرواح
وان کانت جواهر قائمة بانفسها مغایرة لما یحس بہ من البدن لکن لامن
تعلقها ببدن برزخی مغایر لهذا البدن الکثیف))

”یعنی حیات برزخی سب کے لیے ثابت ہے۔ شہید اور دوسرے سب اس میں شامل ہیں۔ ارواح قائم بالذات ہیں۔ (مذہب اہل سنت) اس محسوس دنیوی بدن سے مغایر ہیں لیکن برزخی جسم سے تعلق میں کوئی مانع نہیں۔ یہ دنیوی کثیف بدن سے مختلف ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

”وَإِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ يَبْتَثُّ لَهَا هَذَا التَّعْلُقِ عَلَى وَجْهِ يَمْتَازُونَ بِهِ عَمَّنْ عَدَاهُمْ مَا فِي أَصْلِ التَّعْلُقِ أَوْ فِي نَفْسِ الْحَيَوَةِ بِنَاءً عَلَى أَنَّهَا مِنَ الْمَشْلُوكِ لَا الْمُتَوَاطِي - ۱ھ“

”شہدا کی ارواح کا یہ تعلق باقی اموات سے امتیازی ہے۔ یہ امتیاز روح کے تعلق میں ہو یا زندگی ہی کلی مشکلک ہو۔“

دنیوی جسم کے متعلق فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ چنداں مستبعد نہیں لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ دنیوی جسم کے ساتھ زندگی سے کمزور اعتقاد لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور ایک سفاہت پر یقین دلانے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ برزخی زندگی کے قائل ہیں اور اسی زندگی میں شہدا اور عام اموات کو شریک سمجھتے ہیں۔ لیکن اس زندگی میں تواطؤ کی بجائے تھکایک سمجھتے ہیں تاکہ شہدا اور باقی اموات میں امتیاز رہے۔ ان کے اس مفصل ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ سنت سے ان کے زمانہ ۱۳۵ھ تک دنیوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دنیوی جسم کے ساتھ تعلق کے جو لوگ قائل ہیں وہ بھی تعلق کی نوعیت برزخی سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں اکابر دیوبند میں یہ غلط عقیدہ آ گیا ہے؟

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں:

((وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منه منات سنين وانهم الى اليوم تشخب جروحهم وما اذا رفعت العصابة عنها فذلك مما رواه هين بن بيان وما هو الا حديث طرفه و كلام يشهد على مصدقيه تقديم

”اور ایسی حکایات جن میں صدیوں کے بعد شہدا کے اجسام سے خون بہنے کا ذکر ہے یہ سب خرافات ہیں۔ ان کے راوی غیر مستند ہیں اور ان حکایات کی تصدیق کرنے والے تحریف العقول ہیں۔“

تعجب ہے کہ مولانا بدر عالم صاحب ایسے ثقافت نے بھی ان روایات کا تذکرہ مجمل تنقید کے ساتھ فرمایا ہے۔ حالانکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کی پارٹی کے مخرقات کے جواب میں اس قسم کی روایات پر محدثانہ تنقید ہونی چاہیے تاکہ شکوک وغیرہ عامۃ المسلمین کے ذہن کو ماؤف نہ کر دیں۔

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن جریر کی تصریح

حافظ ابن جریر سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ برزخی زندگی تو سب کے لیے ہے پھر شہدا کی خصوصیت کیا ہے۔

((انہم مرزوقون من ماکل الجنة ومطاعمها فی برزخہم قبل بعثہم ومنعمون بالذی ینعم بہ داخلوها بعد البعث من سائر البشر من لذیذ مطاعمها الذی لہم یطعمہا احد فی برزخہ قبل بعثہ۔)) ۱۵۔

”شہدا کو جنت کے لذیذ کھانے برزخ ہی میں ملیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یہ انعامات برزخ کے بعد جنت میں ملیں گے۔“ یعنی شہدا کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ ان کا برزخ جنت کی نظیر ہے۔ جنت کے لہذا ان کو قبر ہی میں مرحمت فرمائے جائیں گے۔ یہی مزیت ہے جسے حیات سے تعبیر فرمایا اور انہیں میت کہنے سے روکا گیا ہے۔

مولانا نواب محمد صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ والی بھوپال مکتب فکر کے لحاظ سے اہل حدیث ہیں۔ اس لیے آپ حضرات کو ان سے یقیناً اختلاف ہو سکتا ہے لیکن دقت نظر، وسعت مطالعہ زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ان کا مقام یقیناً بہت اونچا ہے اور فہم قرآن میں ان کا ذہن بے حد صاف ہے۔ بہت سے اکابر قدما سے بھی ان کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

((بل ہم احياء فی البرزخ تصل ارواحہم الی الجنان فہم احياء من ہذہ

الجهة وان كانوا امواتا من جهة خروج الروح من اجسادهم۔ اھ))^①
 ”شہد ابزرخ میں زندہ ہیں ان کی رو جس جنت میں جاتی ہیں گو روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ چکا ہے۔“

ص ۲۰۵ میں فرماتے ہیں:

”روح جو ہر قائم بالذات بدن سے حسی طور پر مغایر ہے، جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے نزدیک موت کے بعد بھی اس کا ادراک باقی رہتا ہے۔ کتاب دست کا یہی منشا ہے۔“

درسیات کے مشہور ملاحظیون (صاحب نور الانوار) نے التفسیرات الاحمدیہ (ص ۳۱۲۹ طبع کریبی بمبئی) میں حیات شہد پر طویل بحث کے سلسلے میں اسے برزخی ہی قرار دیا ہے۔

پیش کردہ احادیث پر ایک نظر

حیاء الانبیاء بیہقی کے حوالہ سے اس مسئلہ میں احادیث مرقوم ہیں۔ مقام نزاع کے تعین کے بعد ان میں سے کوئی استدلال کے قابل نہیں۔ پھر حیات دنیوی کا ذکر کسی میں بھی نہیں۔ احادیث کے نام کی اہمیت اور اسلام میں سنت کے مقام کی رفعت کے پیش نظر اس کے متعلق اختصار سے ذکر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ نامہ نگار کا تعلق دیوبند ایسی علمی درس گاہ سے ہے اس لیے بعض اہم احادیث کو جرح و توثیق کے لحاظ سے یہاں جانچا جاتا ہے۔
 نمبر۔ الانبیاء اَحیاءَ فِی قُبُورِهِمْ یُصَلُّونَ۔ (بیہقی کا رسالہ۔ خصائص کبریٰ انباہ)

تحقیق

اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبی نے بھی میزان الاعتدال میں ابن عدی کا قول لا باس بہ ذکر کر کے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی:

قلت بل هو هالك قال الدارقطني في رواية البرقاني متروك الحديث قال

ابو حاتم ضعيف قال الازدي واهي الحديث قال العقيلي كثير الوهم ۱ ھ

(ص ۲۳۱ ج ۱) یعنی ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ ہالک متروک الحدیث

ضعیف و اھی الحدیث او اکثر الوہم ہے۔“

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ص ۲۳۶ جلد ۲ میں ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر اس

① (فتح البیان ص ۲۰۲ جلد ۱)

جرح کی تصدیق فرمادی ہے۔ حافظ خطیب بغدادی نے بھی اسے واہی الحدیث اور متروک الحدیث فرمایا ہے (تاریخ بغداد ص ۳۰۵ جلد ۷) باقی رہا شوکانی کا تحفہ الذاکرین میں حدیث رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي كِي تَشْرَحَ فِي يَه لَكُهْنَا لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيَّ فِي قَبْرِهِ وَرُوحُهُ لَا تَفَارِقُهُ لِمَا صَحَّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءَ فِي قُبُورِهِمْ. (ص ۲۸)

تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے ”صح“ سے معطل صحت مراد لینا تو مشکل ہے۔ یہ صح بمعنی ثبت ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک حدیث پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو۔ محدثین کے نزدیک ”ثبت“ سے اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ نیل الاوطار میں حافظ شوکانی نے یہی لفظ اختیار فرمایا ہے۔

((وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم -))^①

ایسی احادیث کا تذکرہ مواظظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جاسکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد تو اس پر نہیں رکھی جاسکتی۔ اہل حدیث اور ائمہ فہن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح تو ہونی چاہیے۔

كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْقَيْمِ فِي الصَّوَاعِقِ الْمُرْسَلَةِ اس حدیث کے متعلق ابن القیم فرماتے ہیں۔

وحدیث ذکر حیاتہم بقبورہم	لما یصح وظاہر النکران
فانظر الی الاسناد تعرف حالہ	ان کنت ذا علم بهذا الشان
هذا ونحن لقولہم احياء لکن	عبدنا کحیاة ذی الابدان
والتسرب تحتہم وفوق رؤسہم	وعن الشمائل ثم عن ایمان
مثل الذی قد قلمتہا معاذنا	باللسہ من افک ومن بہتان

”انبیاء کی حیات فی القبور جس حدیث میں مذکور ہے اس کی سند صحیح نہیں۔ اہل فہن کو اس کی سند پر غور کرنا چاہیے اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کے مبارک اجسام کے دائیں بائیں نیچے اوپر مٹی موجود ہے اور جس زندگی کے تم قائل ہو اس جھوٹ اور بہتان سے خدا کی پناہ۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز

حدیث نمبر ۳۲، ۳۳، ۳۴ میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ نے انہیں قبر میں نماز ادا فرماتے دیکھا۔ یہ بھی حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ قبر میں بھی دیکھا۔ بیت المقدس میں انبیا علیہم السلام کے ساتھ بھی نماز میں شریک ہوئے پھر آسمان پر بھی آپ سے ملاقات فرمائی اور مفید مشورے دیے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت یونس علیہ السلام کو احرام باندھے شتر سوار تلبیہ کہتے سنا۔ دجال کو بحالت احرام حج کے لیے جاتے دیکھا۔ عمرو بن لُحی کو جہنم میں دیکھا۔ یہ برزخی اجسام ہیں اور کشفی رویت ہیں۔ اگر اسے دنیوی حیات سے تعبیر کیا جائے جو دجال ایسے خبیث لوگوں کو بھی حاصل ہوئی تو انبیا کی فضیلت کیا باقی رہی۔ انبیا کی حیات اہل سنت کے نزدیک شہدائے بھی بہتر اور قوی تر ہے۔ برزخ میں عبادت، تسبیح، تہلیل اور رفعت درجات ان کو حاصل ہے اور بعض واقعات صرف مثالی ہیں جو آنحضرت ﷺ کو آیات کبریٰ کے طریق پر دکھائے گئے۔ ان سے زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا نے کتاب الروح لابن القیم سے بعض حکایات نقل فرمائی ہیں۔ تعجب ہے۔ کتاب الروح کے اہم مباحث کیونکر ان کی نظر سے اوجھل رہ گئے۔

حافظ ابن القیم نے امام ابن حزم کا ایک حوالہ ان کی کتاب الفصل سے نقل فرما کر اس کے بعض حصص پر تنقید فرمائی ہے اس میں اس حیات کا واضح تذکرہ فرمایا ہے:

((قلت ما ذكره ابن حزم فيه حق و باطل اما قوله من ظن ان الميت يحيى في قبره فخطا فهذا فيه اجمال ان اراد به الحياة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيه الروح بالبدن وتلدبره وتصرفه ويحتاج معها الى الطعام والشراب فهذا خطأ كما قاله والحس والعقل يكذبهما كما يكذب النص وان اراد به حياة اخرى غير هذه الحياة بل تعاد الروح اليه غير الاعادة المألوفة في الدنيا ليستل ويمتحن في قبره فهذا حق و فيه خطأ قد دل عليه النص الصريح فتعاد روح في جسده.)) ①

”یعنی اگر زندگی سے دنیوی زندگی اور اس کے لوازم مراد ہیں تو یقیناً یہ غلط ہے۔ ایسی زندگی میت کو حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس سے مراد دنیوی زندگی کے علاوہ ہے جس میں روح کے اعادہ معاد زندگی کی طرح نہ ہو۔ اس کا مقصد صرف سوال

اور امتحان ہو تو یہ درست ہے۔ اس کا انکار کرنا غلطی ہے یہ زندگی نص صریح سے ثابت ہے۔“

پھر ص ۵۳ میں فرماتے ہیں جسم کے ساتھ روح کا تعلق پانچ طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) ماں کے پیٹ میں بصورت جنین۔

(۲) پیدائش کے بعد۔

(۳) نیند کے وقت من وجہ تعلق، من وجہ علیحدگی۔

(۴) برزخ کا تعلق، اس میں گو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن تجرد کلی نہیں ہوتا بلکہ سلام کے جواب کے لیے اسے لوٹایا جاتا ہے لیکن یہ دنیوی زندگی نہیں ہوتی جو اسے قیامت سے پہلے حاصل تھی۔

(۵) قیامت کے دن کا یہ کامل ترین تعلق ہر پہلے چاروں قسم کے تعلق کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے مسلک کی اس میں پوری وضاحت فرمادی ہے۔

دنیوی زندگی کا ائمہ سنت سے سلف امت میں کوئی بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں شیخ عبدالحق

اور مولانا حسین احمد رحمہما اللہ نے یہ مصیبت کہاں سے خرید فرمائی اور حقیقت یہ بات بے تکی

سی ہے جو کسی پہلو سے بھی درست نہیں بیٹھتی۔ عفا اللہ عنہما۔

حدیث نمبر ۵ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکلا اجساد الانبیاء۔ (رواہ

اصحاب السنن و ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث

المشکوٰۃ میں بعض ائمہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

((وللحدیث طرق جمعها المنذری فی جزء فتعدد الطرق ^① یشد بعضها

بعضاً)) [ص ۲۵۵ ج ۱]

حافظ ابن القیم نے بھی جلاء الافہام میں ابن حاتم کی جرح کے جواب میں کوشش فرمائی ہے

جس کی بنیاد عبد الرحمن بن یزید بن جابر اور عبد الرحمن بن یزید بن تمیم کے اشتباہ پر رکھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جلاء الافہام کی ساری بحث پڑھنے کے بعد بھی ذہن صاف نہیں ہوتا۔

① جہاں تک ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء نکلے کا تعلق ہے وہ صرف تین

سندوں سے مروی ہے اور تینوں مخدوش ہیں۔ حدیث نمبر ابی الدرداء پر امام بخاری اور امام ابو حاتم جیسے بالغ

نظر ائمہ حدیث کی جرح کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہے۔ سنن ابن ماجہ کی سند کا حال علامہ سندھی کے کلام سے

معلوم کر لیجئے۔ ایک روایت طبرانی کے حوالے سے حافظ سخاوی نے ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی حافظ عراقی سے نقل

کر دیا ہے۔ لایصح القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبيب الشفیع ص ۱۱۹

اجلہ محدثین رحمہم اللہ کی تنقید ایسی نہیں جو مناظرانہ احتمالات کی نذر کر دی جائے۔ حافظ عبدالعظیم منذری مختصر، سنن ابی داؤد ص ۴ جلد ۲ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

((اخرجه النسائی وابن ماجه وله علة دقيقة اشار اليها البخارى وغيره قد جمعت طرقه فى جزء)) ۱ ھ

اسی طرح انہوں نے الترغیب والترہیب (ص ۱۲۹ جلد اول مصری) میں فرمایا ہے۔ اس ’علتہ وثیقہ‘ کی وضاحت علامہ تفتیؒ سبکی اور حافظ سخاوی نے کر دی ہے۔ سبکیؒ لکھتے ہیں:

((وعلة ان حسين ابن على الجعفي لم يسمع من عبدالرحمن بن يزيد بن جابر وانما سمع من عبدالرحمن بن يزيد بن تميم وهو ضعيف۔ فلما حدث به الجعفي غلط فى اسم الحد فقال ابن جابر۔)) ①

اسی کے قریب قریب حافظ سخاویؒ لکھ کر فرماتے ہیں۔

((ولهذا قال ابو حاتم ان الحديث منكر)) ②

امام بخاریؒ کا وہ اشارہ التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر میں ہے۔ اول الذکر میں یہ ذیل ترجمہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم لکھتے ہیں:

((يقال هو الذى روى عند اهل الكوفة ابو اسامة وحسين فقالوا عبدالرحمن بن يزيد بن جابر۔)) ③

((واما اهل الكوفة فردوا عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر وهو ابن يزيد بن تميم ليس بابن جابروا بن تميم منكر الحديث)) ۱ ھ۔

حافظ ابو حاتم کا ارشاد ان کے صاحب زادے حافظ عبدالرحمن نے نقل کیا ہے:

((سمعت ابي يقول عبدالرحمن بن يزيد بن جابر لا اعلم احدا من اهل العراق يحدث عنه والذى عندى ان الذى يروى عنه ابو اسامة وحسين

الجعفي واحد وهم عبدالرحمن بن يزيد بن تميم۔))

پھر اس علت کو بنیاد بنا کر زیر بحث روایت نقل کی اور لکھا ہے:

① شفاء المقام ص ۴۷۔

② (القول البدیع ص ۱۱۹)

③ (التاریخ الکبیر ص ۳۵۶ جلد ۳ قسم اول) اور التاریخ الصغیر (ص ۱۷۹) میں فرماتے ہیں:

۱ ((وہو حدیث منکر لا علم احداً رواہ غیر حسین الجعفی۔))

ان ائمہ کے علاوہ علامہ ابو بکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں:

۲ ((ان الحدیث لم یثبت۔))

اسی مضمون کی دوسری حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں فنبنی اللہ حی یرزق کی زیادتی مرقوم ہے۔ (ص ۱۱۹ کتاب الجنائز)۔ شوکانی نے غالباً اس کو بسند جمید لکھا اور صاحب تنقیح الرواۃ نے بھی ان کی متابعت میں اس سند کو جمید فرمایا ہے مگر یہ درست نہیں۔ حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

۳ ((رجاله ثقات لکنہ منقطع))

تعلیق سندھی حنفی علی ابن ماجہ (ص ۵۰۲ جلد ۱) میں ہے:

((منقطع فی موضعین لان عبادة رواية عن ابی الدرداء مرسله وزید بن ایمن

عن عبادة مرسله قاله البخاری)) اھ۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں قال البخاری زید بن ایمن عن عبادة مرسل اھ (تہذیب

ص ۳۹۸، ج ۳)

امام بخاری کا یہ ارشاد تاریخ الکبیر ص ۳۵۴ جلد ۲ قسم اول طبع حیدرآباد میں ہے۔

حضرت ابوالدرداء کی حدیث بروایت ابن ماجہ میں فنبنی اللہ حی یرزق زائد ہیں۔

حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مدرج ہیں۔ مجد بن تیمیہ نے منتقی میں اس

زیادتی کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے احسن المعانی میں اور ان کو بطور شبہ قبول

فرمایا ہے۔ (ج ۱ ص ۵۰۹) خان صاحب بریلوی نے بھی اس زیادتی کو مدرج تسلیم کیا ہے (حاشیہ

حیات الموات ص ۱۷۸) خود ابن ماجہ میں حدیث اوس بن اوس اور شداد بن اوس سے مروی ہے۔

اس میں یہ زیادتی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس کی سند کو جمید کہنا تسامح سے خالی نہیں۔

بر تقدیر تسلیم یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی لیکن میں

نے کسی قدر تفصیلی تذکرہ اس لیے ضروری سمجھا تا کہ ان احادیث کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

جنہیں حضرات اجلہ دیوبند دبی زبان سے متواتر فرمادیتے ہیں اور مدارج النبوة اور حافظ

سیوطی کی مصنفات پر اس قدر اعتماد کیا جاتا ہے جو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین سے انتہائی

۱ (عل الحدیث لابن ابی حاتم ص ۱۹۷ ج ۱) ۲ (نیل ص ۳۰۴ ج ۳) ۳ (القول البدیع ص ۱۱۹)

موجب استعجاب ہے۔

ان احادیث میں ضعف اور انقطاع موجود ہے لیکن مسئلہ چونکہ درود کے فضائل کا ہے۔ اس میں حلال و حرام یا عقائد کی بحث نہیں۔ اس لیے ابن القیم رحمہ اللہ ایسے ائمہ حدیث تک نے تسامح سے کام لیا ہے۔ بنا بریں تعدد طرق سے اس کی تصحیح کی گئی اور عوام میں مشہور تھے کہ فضائل میں اس قسم کی احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ اصل بھی خود محل نظر ہے۔

جلاء الافہام میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر طویل بحث فرمائی ہے۔ انقطاع اور تضعیف کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ انقطاع کے لیے شواہد جمع فرمائے ہیں۔ گو وہ شواہد خود محل نظر ہیں۔ خود حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان شواہد کے متعلق بھی علل کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن یہ تمام شواہد کثرت صلوٰۃ کے متعلق جمع فرمائے گئے ہیں اور یوم الجمعہ کی تخصیص کو زیادہ تر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس حد تک کوئی حرج نہیں۔ جمعہ کے دن کثرت صلوٰۃ کے متعلق ان شواہد سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

عقیدہ حیات اور اس کے نتائج

لیکن اب مشکل یہ ہے کہ بریلوی مکتب فکر اور بعض اکابر دیوبند نے ان ضعاف اور مقطوعات سے عقیدہ حیات دنیوی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس بدی تصور کو متواتر عقیدہ کا نام دینا شروع کیا ہے۔ اس لیے پورے یقین سے سمجھ لینا چاہیے کہ تعدد طرق اور شواہد کے باوجود یہ اسانید اس قابل قطعاً نہیں کہ ان پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے۔

پھر ان طرق اور شواہد میں حیات انبیا کا ذکر نہیں بلکہ اکثر واعلی الصلوٰۃ یوم الجمعة پر زور دیا گیا ہے۔ جن طرق اور شواہد میں حیات کا ذکر صراحتاً آیا ہے وہ کوئی بھی صحیح نہیں۔ صحیح لغیرہ احادیث سے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا امت میں کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جن اہل علم سے ان احادیث کی توثیق نقل کی جا رہی ہے ان میں کوئی دنیوی زندگی کا قائل ہے نہ ہی ان مباحث میں کسی نے اس بدی عقیدہ کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ بحث اس مقام پر حافظ ابن القیم نے فرمائی ہے۔ وہ حیات دنیوی کے قائل نہیں۔ ان احادیث سے مطلق حیات کو بھی انہوں نے ثابت کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لیے ان مباحث سے اس مختصر عقیدہ پر استدلال تاویل بما لا یرضی بہ القائل ہوں۔ جسے اہل علم و دانش نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔

حدیث نمبر ۶ صحیح ہے۔ اس میں سلام کے وقت رد روح کا ذکر ہے۔ یہ حیات دنیوی کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قدر جوابات دیے ہیں ان میں اکثر مناظرانہ انداز کے ہیں اور جن پر حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اعتماد ظاہر فرمایا وہ حیات دنیوی کے خلاف ہیں۔ ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ذہن بھی اس حدیث سے متعلق صاف نہیں۔ جوابات میں تذبذب اور خبط نمایاں ہے۔

رہا مولانا حسین احمد صاحب مرحوم کا ارشاد گرامی سو وہ نص حدیث کے مخالف ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سلام کا جواب دینے کے لیے رد کی جاتی ہے۔ مولانا کے ارشاد کے مطابق رد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے مفہوم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے تو حدیث کا مفہوم صاف نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۷ میں اسراء کی رات کو انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر ہے۔ معلوم نہیں اس سے حیات دنیوی کا استخراج کیسے ہوگا۔ ائمہ سنت کے اس کے متعلق دو ہی مشہور مسلک ہیں۔ بعض اس ملاقات کو روحانی سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری ص ۴۵۲ پ ۱۰) میں ایک حدیث بزار اور حاکم سے منقول ہے۔

((انہ صلی فی بیت المقدس مع الملائکة وانہ اتی ہنک بارواح الانبیاء

فأتوا علی اللہ))۔ اھ۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں ملائکہ کو نماز پڑھائی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی روحیں لائی گئیں۔“ دنیوی زندگی کا یہ غلط دعویٰ مصیبت ہو گیا ہے اور احادیث میں تطبیق ناممکن۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ برزخ میں ان ارواح کو مماثل اجسام دیے گئے اور ان اجسام نے بیت المقدس میں یا شب اسراء میں ملاقات فرمائی ان کا ذکر بھی حافظ ابن حجر فتح الباری (پ ۱۵ ص ۴۰۹ جلد ۳) میں فرماتے ہیں:

((ان ارواحہم مشکلة بشکل اجسادہم کما حزم بہ ابو الوفا بن عقیل۔)) اھ

یہ دونوں صورتیں برزخ ہی میں ہو سکتی ہیں۔ اسے دنیوی زندگی کہنا دانش مندی نہیں۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر تصریح فرماتے ہیں۔

((لانه بعد موته وان کان حیا فہی حیاة اخرویة لاتشبه الحیاة الدنیا۔))

(پ ۱۶ ص ۳۶ ج ۴) اور (پ ۱۴ ص ۲۸۳ ج ۳) میں فرمایا۔ وَهَذِهِ الْحَيَاةُ لَيْسَتْ

دنیویہ انما ہی اخرویہ انتھی تلخیص الحبیر ص ۱۶۲ میں یہی سے نقل فرمایا:
الانبياء احياء عند ربهم كالشهداء یہ عند اللہ حیات برزخی اخروی ہو سکتی ہے۔ اسے
کبھی کوئی سمجھ دار دنیوی حیات تو نہیں کہہ سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی نماز، حج، ہارون، یونس، حضرت مسیح علیہم السلام اور دجال کا احرام یہ سب
حقائق مثالی ہیں یا برزخی دنیوی تو نہیں ہو سکتیں۔ آنحضرت ﷺ کا بیٹا حضرت ابراہیم فوت ہوا
تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لہ ظن ان تکملان رضاعہ فی الجنة (مشکوٰۃ ص ۵۲۰)
”اس کی مدت رضاع جنت میں عورتیں پوری کریں گی۔“ آپ کے خیال سے حضرت ابراہیم
کو دنیوی زندگی ملی۔ حالانکہ نہ وہ نبی ہیں نہ شہید۔ اس مطلب کی بیسیوں احادیث سنت کی
کتابوں میں ملتی ہیں۔ اگر ان سے دنیوی حیات ثابت کی جائے تو پھر یوں فرمائیے کہ دنیا
میں کوئی مرتا ہی نہیں۔

حدیث ۱۰۹۸ بالکل حیات دنیوی کا پتہ نہیں دیتیں۔ معلوم نہیں مولانا زاہد صاحب نے
انہیں کیوں نقل فرمادیا۔ سابقہ گزارشات کے بعد ان احادیث پر مزید گفتگو سے کوئی فائدہ معلوم
نہیں ہوتا۔

حکایات اور قصص

حضرت جعفر کی شہادت بعض ارواح کا اپنے قرضوں کے متعلق اطلاع دینا، کتاب الروح،
شرح الصدور، خصائص کبریٰ وغیرہ میں اس قسم کی کئی حکایات مرقوم ہیں۔ اولاً یہ قصے شرعاً حجت
نہیں۔ ثانیاً عقائد کے لیے یہ دلائل قطعاً قابل اطمینان نہیں۔ ثالثاً اس سے حیات روح اور ان کی
نقل و حرکت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ حیات جسمانی یا حیات دنیوی ان سے ثابت نہیں ہوتی
رابعاً: خواب اور کشف کا ظہور جب غیر نبی سے ہو تو صاحب کشف ممکن ہے اس پر یقین کر لے۔
عامۃ المسلمین اس کے پابند نہیں واقعہ حرہ میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں اذان سننا
مدعا کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے۔ سعید بن مسیب آنحضرت ﷺ کی آواز نہیں پہچانتے تھے
ممکن ہے یہ آواز کسی پاک باز جن یا فرشتہ کی ہو۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی دنیوی زندگی کیسے
ثابت ہوئی؟

ابن القاسم رضی اللہ عنہ سے مولانا نے انسان کے چار دور ذکر فرمائے ہیں۔ رحم دنیا، برزخ،
آخرت۔ ہر دور اور پہلے سے بہتر اور اس وسعت پر غور فرمائیے۔ یہ دلیل آپ کے خلاف ہے یا

آپ کے موافق؛ جب برزخ میں وسعت ہے اور یہ دور دنیا سے بہتر ہے تو فرمائیے آپ آنحضرت ﷺ کو برزخ سے دنیوی زندگی میں لانے کی کیوں کوشش فرماتے ہیں؟ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بدرجہا اعلیٰ اور ارفع ہے۔

خان صاحب بریلوی اور ان کے اتباع عقل اور علم سے بے نیاز ہیں لیکن آپ حضرات غور فرمائیں اہل توحید تو علم و عقل سے خالی نہیں ہوتے؟ ان فی ذالک لایات لا ولی النہی۔ مضمون کے بعض حصص پر مزید لکھا جاسکتا ہے۔ میرا مقصد بحث و مناظرہ نہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ بیرونی حضرات ان کے متعلق اظہار رائے کی کوشش نہ فرمائیں۔ یہاں کا ماحول یہاں کے اہل علم بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ لادینی حالات پیدا کرنے کے لیے جو حالات پیدا کیے جا رہے ہیں شاید آپ حضرات ان سے ناواقف ہیں۔ اس لیے مناسب نہ ہوگا کہ مستقبل کی ذمہ داری آپ حضرات پر عائد کی جائے اور آپ کے ان مکاتیب اور خطابات سے غلط فائدہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم اسلام کی سر بلندی کے لیے کچھ کر سکیں۔ قادیانیت، رخص اور بدعت جن چور دروازوں سے آرہی ہیں، ہم ان ابواب کے کھولنے کا سبب نہ بنیں۔

مندرجات رسالہ ”حیات النبی“ پر ایک سرسری نظر

مجلہ ”دارالعلوم“ دیوبند کے مضمون ”حیات النبی“ سے متعلق میں اپنی تنقیدی گزارشات ”رحیق“ میں اشاعت کے لیے دے چکا تھا۔ اتفاقاً رسالہ ”حیات النبی“ مولفہ مولانا اخلاق حسین ملّا۔ جس کا پیش لفظ مولانا سید ابو ذر بخاری نے لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں جوانی کے جوش کے سوا کچھ نہیں اور بات یہ ہے کہ جہاں دلائل بالکلیہ ناپید اور نصوص صراحتہ خلاف ہوں۔ وہاں مکتب خیال کی دہائی اور کھینچا تانی کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔ یہی ہو سکتا ہے کہ نوجوان مل کر زور لگائیں۔ زبان کی طاقت اور قوت بازو سے نصوص کو پھیرنے کی کوشش کریں۔ اس سے کم از کم تھوڑی دیر تک اذہان کا رخ پھیر لیں گے اور مکتب خیال کے بزرگوں کی رفعت، شان کا واسطہ دے کر گرتی دیوار کو تھوڑی دیر کے لیے سنبھالا دے دیں۔ مولانا اخلاق حسین اور ابو ذر صاحب نے بھی یہی کچھ کیا ہے۔ اس لیے مجھے اس رسالہ کے ابتدائی حصہ کے متعلق کچھ بھی گزارش کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

میں نے اپنے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ مجھے یہ رسالہ کوشش کے باوجود مل سکا۔ مگر پیش نظر رسالہ کے صفحہ

۱۸ پر حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا کے رسالہ کا نام ”آب حیات“ ہے۔ یہ اقتباس صفحہ ۲۳۲ سے لیا گیا ہے۔ مولانا نے اسی حدیث یورد اللہ علی روحی کی توجیہ فرمانے کی کوشش فرمائی۔ یہ حدیث چونکہ دیوبندی مکتب خیال کے خلاف ہے اس لیے اس کی تاویل فرمائی گئی ہے کہ یہ راستہ سے ہٹ جائے۔ حضرت کا ارشاد روح پر فتوح نبوی ﷺ جب منع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جو نسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعبہ لازمی نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخر شعبہ غیر متناہی اور ہیں۔

حضرت مولانا کی جلالتِ قدر و وقتِ نظر و سعتِ معلومات، تقویٰ للہیت معلوم اور مسلم ہے۔ قلم لڑتا ہے کہ مجھ ایسا کم سواد علم و حکمت کے سمندر کے خلاف تنقید کا انداز اختیار کرے لیکن اس کا کیا جائے کہ بحمد اللہ ذہن میں تقلید و جمود کے جراثیم نہیں ہیں اور آنحضرت ﷺ فداہ ابی دمی کے بعد یقین سے کوئی معصوم نہیں اس لیے سوچتا ہوں کہ اس مختصر سے اقتباس میں ہے کیا۔ اتنے بڑے مہر فاضل نے افسوس ہے کوئی دلیل نہیں دی اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں لکھ سکے جو ذہن کو اپیل کرے اور یہ مصیبت اس لیے پیش آئی کہ ان حضرات نے ایک غلط نظریہ اپنایا کہ انبیاء کی حیات برزخی نہیں جسمانی اور نبوی ہے، حضرت نے لکھا ہے کہ:

① ”مجازات کی زبان میں روح کو جسے قرآن نے امر فرمایا مرکب تصور کیا۔ ② پھر شعبہ لا متناہی تصور فرمایا۔ ③ پھر اس مرکب کے اجزاء سے ہر ایک کی توجہ مختلف سمتوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ پھر انقسام توجہ کے باوجود استغراق پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ روح عام ارواح کے لیے اور مومنین کی ارواح کے لیے منع ہے یعنی مسلم اور غیر مسلم ارواح کا انشعاب اسی روح سے ہوتا ہے اور مومنین کی ارواح کو آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح سے خاص نسبت اور تعلق ہے۔“

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد گرامی کا اقتباس آپ کے سامنے ہے۔ بظاہر اس میں کوئی اغلاق نہیں۔ مجاز و استعارات کے انداز میں جو کچھ فرمایا ہے وہ الفاظ کے بہر پھیر کے سوا کچھ نہیں۔ کتاب و سنت سے کوئی نص یا اشارہ حضرت نے اپنے اس فکر کی تائید میں ذکر نہیں فرمایا۔ قرآن عزیز نے روح کے تذکرہ میں جامع اور مناسب براہنمائی فرمائی ہے۔

((قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔))

ذرا غور کر لیا ہوتا کہ امر کی تفصیلات میں جانا اس کے غیر متناہی شعب کا تذکرہ ہوتا تو قرآن اسے ضرور بیان فرما دیتا۔ مولوی اخلاق حسین صاحب نے صفحہ ۷ پر زاد المعاد سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے۔ اس کا اور مولانا کے اقتباس کا موازنہ فرمائیے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کس قدر اقرب الی السنۃ ہے اور احادیث میں تطبیق کے لیے کس قدر موزوں اور مناسب۔ ادھر مولانا قاسم کی منطوق ملاحظہ فرمائیے۔ وہ قطعی بے جان ہے۔ الفاظ کی شعبہ بازی سے زیادہ اس میں کچھ نہیں اور حدیث یَسْرُدُ اللّٰهُ عَلَیْ دُوحِیْ کو سامنے رکھا جائے تو پوری تقریر کی حیثیت ہوائی سی ہو جاتی ہے اور حدیث کے الفاظ سے بالکل الگ اور مختلف!

بریلوی علم کلام

ہم نے بریلوی علم کے تین اصول سمجھے ہیں۔ اول مخالف کو پیٹ بھر کے گالیاں دینا، دوم جہاں تک ممکن ہو اس پر جھوٹی تہمتیں تراشتے جانا تاکہ بے چارا الزامات کا جواب دیتے ہی تھک جائے۔ سوم جس بدعت کی ترویج مقصود ہو اس کے ساتھ ”شریف“ کے لفظ کا اضافہ کیا ہو یوں شریف، میلاد شریف۔ چہلم شریف جو بدعتی اور شرک کا مرکز ہو اس کے ساتھ ”شریف“ لگا دو۔ جتنا بڑا پانی اور مہاشرک ہو اس کے نام کے ساتھ جھوٹے خطابات کا ایک طویل سلسلہ ضم کر دو عوام حق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ بدعت اور اہل بدعت کو پسند کرنے لگیں گے۔

اخوان دیوبند

حضرات دیوبند پہلی دو بیماریوں سے قریباً محفوظ ہیں۔ گالیاں نہیں دیتے، جھوٹ نہیں بولتے، لیکن اکابر کے محاسن میں غلط مبالغہ اور بے ضرورت غلو اساتذہ کی تقدیس بانداز عظمت یہاں بھی موجود ہے اور بدرجہ اتم۔ آپ نے مولانا قاسم کا اقتباس پڑھ لیا اور اب مبالغہ آمیزی ملاحظہ فرمائیے۔

”آب حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درساً درسا پڑھی۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں تو انہوں نے بایں ذہن ذکر فرمایا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے۔“

آپ نے اقتباس ملاحظہ فرمایا۔ اردو میں ہے اس میں کوئی اخلاق اور گہرائی بھی نہیں۔ لیکن میں مولانا طیب صاحب کی یہ غلو آمیزی پہلے دیکھ لیتا تو شاید میں بھی آنکھیں ملنے لگتا کہ شاید یہاں کوئی شیر سوراہا ہو۔ روات کی ثقاہت میں شبہ نہیں لیکن جب اسے واقعہ پر عرض کیا جائے تو ذہن میں کشمکش ہی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ اکابر کیا فرما رہے ہیں۔ ممکن ہے کوئی مقام کتاب دقیق ہو جس کے لیے شیخ الہند نے استاد محترم کی طرف رجوع فرمایا ہو مگر پوری کتاب درسا پڑھنا بڑی عجیب بات ہے۔

ہماری رائے تو یہ ہے کہ یہ بریلوی علم کلام کا ۱۳/۱ حصہ ہے جو حضرات دیوبند کو ورثہ میں ملا ہے اور اسی مبالغہ آمیزی کی بنا پر یہ غلط نظریہ کہ ”انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیوی“ ہے۔ دیوبندی مکتب خیال میں چل نکلا ہے۔ ہمارے دیوبندی نوجوان اساتذہ کے ان ارشادات کو چھوٹی موٹی سمجھتے ہیں اور ان کے حسن و فح کا تجزیہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

فَبَشِّرْ عِبَادَ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ

اللَّهُ ۝ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْأَوْلِيَاءُ ۝ [سورۃ الزمر آیت ۱۸]

احباب کرام! علم و دانش کی راہ یکسر اس سے مختلف ہے۔ اساتذہ کا احترام دوسری چیز ہے اور علم و دانش سے صرف نظر بالکل دوسرا امر۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کرام کا اسوۂ آپ کے سامنے ہے کہ احترام اور اختلاف بیک وقت چل رہے ہیں۔ نہ اختلاف اظہار حق سے مانع ہے اور نہ اظہار حق ادب و احترام کی راہ میں حائل۔۔۔ اظہار حق کے جذبہ کو ادب و احترام میں اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ سینکڑوں مسائل میں اختلاف کے باوجود استاد کی جبین احترام پر شکن کے آثار تک پیدا نہیں ہوتے ہیں اور تلامذہ کے مزاج میں ادنیٰ سا تکدر رونما ہوتا ہے نہ ہی طرفین میں مبالغہ آمیز تمارح کی کبھی نوبت آئی۔ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ.

أولئك ابائى فجتنى بمثلهم

إذا جمعتنا يا جرير المجامع

اس کے بعد مولانا طیب صاحب کا ایک طویل خط مولانا اخلاق حسین صاحب نے نقل فرمایا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ایک غیر مفید بحث میں ناظرین کا وقت ضائع ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی فصوص الحکم یا فتوحات کے انداز کی ایک مستقل تقریر یا نظریہ ہے جس سے حدیث کے الفاظ کی روشنی میں حدیث کا حل نہیں ہوتا۔ پھر حضرت مولانا طیب

صاحب کی تشریح، حضرت نانوتوی کے ارشاد سے چنداں متعلق بھی نہیں۔ اپنی جگہ کچھ خیالات ہیں جن کی پیدائش کا ذمہ دار مولانا کا ذہن ہے۔ جو تلامذہ اور معتقدین کی محفل میں کہنے کے لیے ایک اچھی چیز ہے۔ دلائل و براہین کے معیار پر اس کا اثر نامشکل ہے۔ ایک مستقل سی تقریر ہے۔ اس سے نہ حدیث کے حل میں مدد ملتی ہے۔ نہ مولانا نانوتوی کے ارشادات پر تشریحی روشنی اس سے پڑتی ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نانوتوی کے ارشادات کو ابن قیم کے ارشاد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بعض کثوف سے ضم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

میں نے اسے ناتمام کہنے کی جسارت کی ہے کہ حضرت نانوتوی رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو کل ارواح باقیہ اور خصوصاً مومنین کی اصل تصور فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت قاری صاحب آنحضرت ﷺ کو ”حقیقی مومن“ فرما کر اس کے عموم کو ختم فرماتے ہیں اور اہل ایمان کی تخصیص کی ترجمانی اس انداز سے فرماتے ہیں گویا روح اور ایمان بالکل مترادف ہیں۔ اصطلاح کا حق ہر ایک کو ہے ہم اسے روک نہیں سکتے۔ لیکن ارباب علم غور فرمائیں کہ اس سے کس قدر خبط ہوگا اور پرویز و خلیفہ عبدالحکیم کو اصطلاحات کی تخریب سے روکنا کتنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے لوگوں سے گفتگو ان کی زبان میں کی جائے جس طرح ابن القیم نے کی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے سورج اور اس کی دھوپ کو تمثیلی انداز میں بہت طول دیا ہے لیکن یہ کوشش بھی اس لیے ناتمام ہے کہ رَدَّ اللّٰہُ عَلٰی رُوْحِیْ میں لفظ ”رد“ کا تقاضا اس سے پورا نہیں ہوتا۔ البتہ اس طول سے ذہن میں خبط ضرور ہو جاتا ہے۔

اگر یہ تقریر آنحضرت ﷺ کی اطاعت کے وجوب کے متعلق کی جاتی اور متصوفانہ اور فقہی جمود پر اس سے پابندی لگائی جاتی تو بہت مناسب ہوتا۔ حدیث کے فہم کے لیے تو اس تقریر کے ہوتے ہوئے تو یہ لفظ حدیث سے نکالنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث سے مخلصی کی ایک اور راہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس کے رواۃ میں ابو صحر حمید بن زیاد ہیں۔ مسلم نے اس کی متابعت کے طور پر روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے اسے بعض اوقات ضعیف کہا ہے اس سے بعض منکرات بھی مروی ہیں۔ حدیث پر جرح کر کے مخلصی ہو سکتی ہے۔ حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد یہ اصطلاحات کی ہیرا پھیری بے دین اور اہل بدعت کے لیے غلط راستہ کھول دے گی اور اس کی ذمہ داری اہل علم پر ہوگی۔

یاد پھر وہی عام اہل سنت کی راہ کہ حیات برزخی ہے اور یہ دنیوی موت کے ساتھ جمع ہو سکتی

ہے ان دونوں میں تضاد نہیں۔ اہل تحقیق اور ہمارے اکابر کی بھی یہی راہ ہے۔

قاری صاحب نے استغراق کی بھی کئی صورتیں بنا دی ہیں۔ فی ذاتہ ﷺ استغراق فی ارواح الامت، استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ روح کا معاملہ جب ہمارے فہم و فراست سے بالا ہے تو پھر ان تکلفات سے کوئی فائدہ نہیں۔ ظاہر الفاظ سے فرار آپ ایسے حدیث کے ماننے والوں کے لیے قطعاً مناسب نہیں۔ یہ ابن عربی اور ابن سعید کے انداز کا کشفی تصوف امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے زہد و ورع کے مطابق نہیں کہا جاسکتا۔۔۔ حضرت قاری صاحب کا پورا خط خطابی انداز کا ہے۔ یہی حال مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم کے اقتباس کا ہے۔

اگر پاکستان میں اہل بدعت ان تمویہات اور الفاظ سے غلط فائدہ اٹھا کر اہل توحید کو دوق نہ کرتے تو ان تلخ گزارشات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دور افتادہ مساکین پر آپ حضرات کسی اچھے طریق سے کرم فرمائیں تو ہم ممنون ہوں گے جو انداز اب تک اختیار فرمایا گیا ہے قابل شکایت ہے۔

شکوت وما الشکوٰی لعتلی عاده

ولکن یفیض الکأس عند امتلاءها

ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرات سے توحید و سنت کی بات سنیں۔ ائمہ سلف اور ان کے اعتصام بالنتہ کے قصے سنیں۔ یہ جنس جو دارالعلوم لا رہا ہے پاکستان میں ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ آپ حضرات کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کی رضامندی کے لیے کوئی اور راہ اختیار فرمائیے۔

دور دستاں را بہ نعمت یاد کردن ہمہ است

ورنہ ہر نخلے پپائے خود شمرے انگلند

قاری صاحب کے مکتوب گرامی کے بہت سے حصوں پر میں نے گزارشات نہیں کیں ورنہ اس پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

چند شبہات کا حل

آج سے چند ماہ پہلے اس موضوع پر چند گزارشات ”مجلہ ریحق“ میں پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔ بریلوی حضرات کے خیالات اس موضوع پر معلوم ہیں۔ مولانا احمد رضا صاحب نے قناری رضویہ کی پہلی جلد میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی کو جسمانی اور دنیوی قرار دیا ہے۔ لیکن ان حضرات کے خیالات عموماً دلائل کے بجائے جذبات پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے علمی حلقوں میں اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب جب اس قسم کے مسائل پر لکھتے ہیں تو استدلال کے بجائے مخالف پرطن و تشنیع اور الزامات سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ وہ مثبت طریق پر بہت کم لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم و نظر کے حلقوں میں ان بزرگوں کے ارشادات کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ حضرات علمائے دیوبند کا مقام اس سے بالکل مختلف ہے ان میں محقق اہل نظر ہیں۔ دلائل پر ان کی نظر ہے۔ اپنے مسلک کی حمایت میں ان کا مدار جذبات پر نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے تعجب ہوا کہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام میں حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ صاحب نانوتوی اور بعض دوسرے اکابر دیوبند کی بھی تقریباً وہی رائے تھی جو مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تھی۔

پھر مزید تعجب ہوا کہ بعض حضرات نے حیات انبیاء کی اس صورت کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ دعویٰ تحقیق اور انصاف دونوں کے منافی ہے بلکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ آجلہ دیوبند بھی اس مسئلہ میں ان حضرات سے متفق نہیں۔ میری گزارشات شائع ہونے کے بعد ان گزارشات کی تائید بعض دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی۔^①

جن احباب نے اختلاف فرمایا وہ بھی دلائل اور تحقیق کی بنا پر نہیں بلکہ اساتذہ کی جلالت قدر پر اعتماد اور جمود کی بنا پر فرمایا۔ اس کے باوجود انہی بزرگوں کے ذوق علم و تحقیق کی بنا پر پہلے بھی چند پریشان خیالات مقتدر مجلہ ”ریحق“ کی نذر ہوئے اور آج کی صحبت میں جو عرض ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے۔ ائمہ سنت اور اہل تحقیق اکابر کی روش کے پیش نظر ان مسائل پر غور فرمایا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ابنا و افتاد کے ساتھ محبت اور ان کے تحقیق

① ماہنامہ ”حقی“ دیوبند (جولائی واگست ۱۹۵۸ء) جس کا وہ مقالہ آئندہ صفحات میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

مسائل سے استفادہ میں اہل حدیث کسی سے پیچھے نہیں۔ وما من احد الا و يؤخذ من قوله ویرد علیه (امام مالک رحمہ اللہ) کے کلیہ سے انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی مستثنیٰ نہیں۔ تاہم شاہ صاحب اور ان کے ابنائے کرام کی علمی تحقیقات کے سامنے پیشانیاں جھکتی ہیں۔

((رحمهم الله وجعل الله الجنة مشاھم.))

دیوبند کے علمی اقتدار اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رفعت مقام کی بنا پر جب کوئی مسئلہ ان حضرات کی طرف سے آئے تو اس سے صرف نظر ممکن نہیں جو احادیث اس باب میں آئی ہیں ان کے متون و اسانید ائمہ حدیث کے آراء و افکار اور محققین کے ارشادات کی روشنی میں جو مواد میسر آسکا اس کا تذکرہ ”رحیق“ کے صفحات میں آچکا ہے۔

آب حیات

حال ہی میں برادر محترم حضرت مولانا محمد چراغ صاحب کی عنایت سے حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی ”آب حیات“ دیکھنے کا موقع ملا۔۔۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے علم اور جلالت قدر کا پہلے بھی یقین تھا ”آب حیات“ دیکھنے سے ان کا احترام اور بھی زیادہ ہوا۔ ان کی جلالت قدر کے باوجود بلا خوف و تردید کہا جاسکتا ہے کہ ”آب حیات“ کا انداز تحقیق سے زیادہ تاویل پر مبنی ہے۔ مولانا مغفور نے یہ کتاب وراثت نبوی ﷺ کے متعلق شیعہ نقطہ نظر کے جواب میں لکھی ہے اور شیعہ شبہات سے مخلصی کے لیے یہ مناظرانہ راہ اختیار فرمائی کہ آنحضرت ﷺ جسمانی طور پر زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی دنیوی زندگی ہے۔ اس لیے تقسیم وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مناظرانہ راہ ہے اس سے وہ نصوص حل نہیں ہوتے جن میں آنحضرت ﷺ کی وفات، دفن اور اس دنیا سے انتقال کا صریح تذکرہ موجود ہے۔۔۔ قرآن کی صراحت انک میت وانہم میتون۔ اور احادیث میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کی تفصیلات، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع، امہات المؤمنین کا سوگ ایسی چیزیں نہیں ہیں جنہیں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی جلالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے۔

خود اکابر دیوبند یا ان کی اکثریت ان بزرگوں سے اس عقیدہ میں متفق نہیں۔ اس کی حقیقت ایک صوفیانہ تخیل سے زیادہ کچھ نہیں۔ نصوص حدیث کی ظاہری تعبیرات اس کے خلاف ہیں۔ تقلیدی جمود کی ذمہ داری تو یقیناً نہیں لی جاسکتی۔ لیکن بصیرت دینی ان تاویلات کے قبول

کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اس لیے اہل سنت سے ادباً گزارش ہے کہ اکابر دیوبند بے شک قابل احترام ہیں لیکن وہ اپنے وقت کے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں کہ ان کی ہر تقلید مان لی جائے۔ اس لیے گزارش ہے کہ جمود سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ کتاب و سنت موجود ہے اور ائمہ سلف کی تصریحات بھی موجود ہیں۔ ولا قول لاحد مع اللہ ورسولہ۔

حیات النبی اور اہل حدیث

مجھے خوشی ہے کہ اکابر اہل حدیث میں کسی سے اس قسم کی لغزش نہیں ہوئی۔ ہمارے اکابر سے غزنوی خاندان کو تصوف سے جو شغف رہا ہے وہ بحث و دلیل کا محتاج نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اہل کرام اور تلامذہ عظام سے کوئی بھی اس قسم کے اعتقادی جمود کا شکار نہیں ہوا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے جن لوگوں نے حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے استفادہ فرمایا ہے وہ اس قسم کی خوش اعتقادی سے محفوظ رہے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے علمائے یمن سے علوم سنت کا استفادہ فرمایا ہے۔ وہ بھی ان کمزور اور دور از کار تاویلات سے محفوظ رہے ہیں اور یہ ساری برکت اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں طریق تقلیدی جمود سے پاک ہیں۔ ان میں اساتذہ کا ادب تو یقیناً ہے لیکن جمود اور تقلید نہیں۔۔۔ یہی محدثین کی اصل راہ ہے۔۔۔ جب سے محققانہ تنقید کو بے ادبی کہا جانے لگا۔ اس وقت سے جمود نے عقل و فکر کی راہوں کو مسدود کرنا شروع کر دیا اور دماغوں نے سوچنا ترک کر دیا۔

میری گزارشات

میری گزارشات میں ان اساطین علم کے ارشادات پر حدود ادب کے اندر رہتے ہوئے تنقید تھی۔ اگر یہ مسئلہ صرف بریلی کی راہ سے آتا تو میں اس پر ایک حرف بھی لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ ندوہ حضرات سوچنے کے عادی ہیں نہ ان کا علمی حلقوں میں کوئی اثر ہے۔

حضرات اکابر دیوبند کے علمی احترام کے وسیع اثر نے مجبور کیا کہ ان کے ارشادات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ طلبہ علمی تنقید اور بحث نظر کی عادت سیکھیں۔۔۔ ان گزارشات کا مختلف حلقوں میں عجیب اثر ہوا۔ بعض حلقوں نے اسے بے حد پسند کیا، گویا دقت کی یہ ایک

ضرورت تھی۔ اس وقت تک پاک وہند کے کئی جرائد میں وہ مضمون شائع ہو رہا ہے۔ بعض حلقوں نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور اسے حضرات اکابر دیوبند کی بے ادبی پر محمول فرمایا: اعاذنی اللہ عن ذلک۔

بعض نے اس پر جزوی اور معمولی تنقید فرمائی، اور توجہ دلائی کہ معتدل بسط کے باوجود اس پر تشکی ہے۔ بعض گوشے مجمل ہیں ضرورت ہے کہ ان کی مزید وضاحت کی جائے۔ بعض کا خیال ہے کہ مسئلہ اساسی طور پر نظر ثانی کا محتاج ہے۔ ضرورت ہے کہ نصوص کی روشنی میں پورے موضوع پر نظر ثانی کی جائے۔ جو خطوط بذریعہ ڈاک موصول ہوئے ان میں بھی یہی کیفیت موجود تھی۔

منشی محمد شفیع صاحب کا نظریہ

چنانچہ ہمارے محترم دوست منشی محمد شفیع صاحب لاہوری (جو مشرباد دیوبندی)، طبعاً حق پسند اور بحث و نظر، تحقیق و تنقید کے عادی ہیں، نے توجہ دلائی کہ مسئلہ کے بعض پہلو محفل نظر ہیں ان پر مزید غور ہونا چاہیے۔

میں نے اپنی گزارشات میں عرض کیا تھا کہ حیات انبیاء علیہم السلام پر اجماع امت ہے گو احادیث کی صحت محل نظر ہے تاہم ان کا مفاد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک کو مٹی نہیں کہتی۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء۔^①

منشی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کلیہ صحیح نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام خاک پر حرام ہیں بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق معلوم ہے کہ ان کے اجسام میں مٹی نے تصرف کیا چنانچہ حافظ نور الدین دمشقی ۸۰ھ نے مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۷۰، ۱۷۱ میں ابویعلیٰ اور طبرانی سے بروایت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے۔

((فقال علماء بنی اسرائیل ان یوسف لما حضره الموت اخذ علينا موتقاً من اللہ ان لا تخرج من مصر حتی ننقل عظامه (الی ان قال) فلما احتفروا اخرجوا عظام یوسف۔))

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں الفاظ کی ترکیب اس طرح ہے۔

① (ابن ماجہ ص ۱۱۹، ۱۲۰، ترمذی ص ۱۱ جلد ۲)

((قال له انك عند قبر يوسف عليه السلام فاحتمل عظامه وقد استوى القبر

بالأرض (الی ان قال) فاخرج العظام و جاوز البحر۔))^①

یعنی حضرت موسیٰ عليه السلام جب بنی اسرائیل کے ہمراہ رات مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے۔ جب تشویش ہوئی تو علمائے بنی اسرائیل نے فرمایا، یوسف عليه السلام نے ہم سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مصر سے جائیں تو میری ہڈیاں اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ہڈیاں نکال لیں اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ (ملخصاً)

نشی صاحب کا خیال ہے کہ جسم اطہر کی حفاظت میں جو احادیث آئی ہیں وہ درست نہیں لیکن ابویعلیٰ کی روایت صحیح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں موسیٰ علیہ السلام ہمراہ لے گئے، نشی صاحب کا خیال ہے کہ یوسف علیہ السلام کی اس وقت صرف ہڈیاں تھیں گوشت اور پوست نہیں تھا۔

حافظ ہاشمی نے ابویعلیٰ کی روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ:

((رجال ابی یعلیٰ رجال الصحیح وهذا الذی حملنی عن سیاقها))^②

”ابویعلیٰ کے رجال صحیح رجال ہیں اسی لیے میں نے اس حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔“
طبرانی کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

((رواه الطبرانی فی الاوسط وفيه من لم اعرفهم۔))

(ص ۱۷۱۔ طبرانی کی روایت کے راوی غیر معروف ہیں)

نشی صاحب نے اس مفہوم کا ایک حوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد اول ص ۲۷۵ سے بھی نقل فرمایا ہے۔

((ولما خرجوا من مصر اخرجوا معهم تابوت يوسف عليه السلام۔ (۱ ھ))

”یعنی جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔“

نشی صاحب کی تائید میں ایک حوالہ ابن خلدون جلد ۱ ص ۱۳۱ میں بھی ملتا ہے:

((لما فتح يوشع مدينة اريحاء سار الى نابلس فملكها ودفن هنالك

شلو يوسف عليه السلام وكانوا حملوه معهم عند خروجهم من مصورقد

ذكرنا انه كان اوصى بذلك عند موته۔)) ۱ھ۔

② (ص ۱۷۱۔ مجمع الزوائد جلد ۱۰)

① (ص ۱۷۱۔ مجمع الزوائد)

”حضرت یوشع نے اریحا کے بعد جب نابلس پر قبضہ کیا تو یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں ان کی وصیت کے مطابق وہاں دفن کر دیں۔ یہ ہڈیاں مصر سے نکلنے وقت وہ اپنے ہمراہ لائے تھے۔“ ان حوالوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ کلیہ درست نہیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔“

اہل علم کا فرض ہے کہ ان نصوص میں غور فرمائیں اور اس میں بظاہر تعارض میں ترجیح یا تطبیق کی کوشش فرمائیں۔ متوسلین ذیوبند سے خصوصی گزارش ہے کہ وہ اپنے اکابرین مسلک کی ان تصریحات کو تحقیق کی روشنی میں ثابت فرمائیں۔ مسائل عصیبت یا ناراضگی سے حل نہیں ہوتے اور نہ عقیدت مفرطہ دلائل اور براہین کا بدل ہی ہو سکتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ان متعارض دلائل کا اثر حیات برزخی پر نہیں پڑتا۔ وہ بہر حال ثابت ہے۔ عذاب و ثواب قبر کی احادیث کے ہوتے ہوئے قبر میں زندگی کی کوئی صورت تو یقیناً ہوگی۔ مشکلات حیات نوعی میں ہیں۔ خصوصاً جب اسے جسمانی دنیوی سمجھا جائے۔ بریلوی حضرات کے نقطہ نظر سے یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ قبر میں بظاہر بعض تکلیفات شرعیہ کا بھی صلحائے امت کو مکلف سمجھتے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کی کہانیاں بھی ان کے ہاں مروج اور متعارف ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حیات شہدا کے سلسلہ میں انواع حیات کے متعلق کافی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ محترم منشی محمد شفیع صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے لیے برزخی زندگی تو مانتے ہیں لیکن وہ اس زندگی کے لیے نہ جسم کو ضرورت سمجھتے ہیں نہ اس کے لیے دنیوی زندگی کے لوازم کی ضرورت ہی محسوس فرماتے ہیں۔

منشی صاحب کے دلائل کا تجزیہ

اس میں شک نہیں کہ دلائل میں ایسا باور کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اگر حیات کا جسمانی اور دنیوی تصور قبول کیا جاسکتا ہے تو منشی صاحب کے تصور کی راہ میں کون سا مانع حاصل ہو سکتا ہے لیکن میری رائے میں منشی صاحب کے دلائل کئی وجوہ سے کمزور اور مرجوح معلوم ہوتے ہیں۔

(۱)۔ حدیث: ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

”اللہ تعالیٰ نے منشی پر انبیاء کے اجسام حرام فرمادیے ہیں۔“

گو بلحاظ سند صحیح نہیں۔ تاہم اصول ستہ کو جو فوقیت طبرانی اور ابویعلیٰ پر ہے اسے نظر انداز

نہیں کیا جاسکتا۔ اصول ستہ کو بحیثیت مجموعی طبرانی وغیرہ پر برتری حاصل ہے۔ چوتھے درجہ کی کتابوں سے استدلال فحول ائمہ حدیث تنقید اور تحقیق کے بعد کرتے ہیں یا پھر اہل بدعت جن کے ہاں اصل چیز اپنی بدعت کی تائید ہے۔ دلائل کی پختگی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ (حجۃ اللہ)

(۲) حافظ بیہقی نے مجمع الزوائد میں صرف زوائد جمع کرنے کا ذمہ لیا ہے تاکہ ایک مواد اہل علم کے سامنے آجائے۔ وہ ان زیادات پر بالاستیعاب کلام نہیں فرماتے اور نہ ہی جرح و قدح کی تفصیلات ہی میں جاتے ہیں۔

(۳) ابویعلیٰ کی روایت میں انہوں نے فرمایا ہے۔ رجالہ رجال الصحیح۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند کے رجال پر اصحاب الصحیح نے اعتماد فرمایا ہے لیکن حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی نہیں۔ امام مسلم نے شواہد میں ایسے رجال سے روایت کی ہے جن میں ائمہ حدیث کو کلام ہے۔ اس کا تذکرہ انہوں نے مقدمہ مسلم میں بھی فرمایا ہے۔

(۴) پھر ثقاہت رجال کے علاوہ تصحیح حدیث کے لیے اور بھی شروط ہیں۔ مراسیل اور مقطوعات میں ثقاہت رجال کے باوجود حدیث کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ راوی اور روایت کی شرائط کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۵) طبرانی کی روایت کے متعلق حافظ بیہقی فرماتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط و فیہ من لم اعرفہم۔ غیر معروف رجال سے جو روایت مروی ہے اس کی صحت کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

اس قسم کی ضعیف روایات کے بالمقابل توازن ماجہ کی روایت ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء کو ضعف کے باوجود جمہور امت نے قبول فرمایا ہے۔ اس لیے اسے طبرانی اور ابویعلیٰ کی ضعیف روایات پر ترجیح ہوگی۔

لتلقى الامۃ مفہومہا بالقبول۔

قرآن کا تقاضا یہی ہے کہ ابن ماجہ کی روایت کو ترجیح دی جائے اور برزخی زندگی کے ساتھ جسم کی سلامتی کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔

(۶) پھر ابن ماجہ کی روایت کو علی علاقہ تسلیم کر لینے سے تعارض بھی اٹھ سکتا ہے۔ ابویعلیٰ اور طبرانی کی روایت میں عظام سے مقصد حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی نعش مبارک مراد ہو چکے کہ البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۷۵ میں اخر جوا معہم تابوتہ مرقوم ہے۔

عظام کی تابوت اور تابوت کی عظام سے تعبیر میں استبعاد نہیں۔ ایسے مقام پر عظام سے جسم مراد لینا متعارف ہے۔

قرآن حکیم نے مکرین حشر کا عقیدہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندگی عطا کرے گا)

معلوم ہوا کہ کفار حشر اجداد کے منکر تھے۔ حشر عظام پر استعجاب اسی حقیقت کی تعبیر ہے۔

مقصود یہی ہے۔ مَنْ يُحْيِي الاجسام البالية حديث من فاحتمل عظامه. سے مراد اجمل جسم ہی ہونا چاہیے اس مفہوم کے بعد احادیث میں تعارض اٹھ جاتا ہے۔ میری دانست میں وہی مسلک صحیح ہے جسے ائمہ سنت و حدیث نے قبول فرمایا ہے۔

(۷) ابن خلدون کا حوالہ اور بھی محل نظر ہے کیونکہ مصر سے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہ لائے۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک بسادیہ تیبہ میں اقامت پذیر رہے۔ کوشش اور انتہائی آرزو کے باوجود بنی اسرائیل کسی ہمسایہ ملک پر حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال اسی اثنا میں ہوا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت یوشع بن نون کے سپرد ہوئی۔ حضرت یوشع نے اریحا اور نابلس کے علاقے فتح کئے۔ خیال ہے کہ اس اثنا میں برسوں گزر گئے ہوں گے۔ ابن خلدون نے بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

((و اخرجوا معهم تابوت يوسف عليه السلام))^①

تابوت اور شلوا بن خلدون نے دونوں استعمال کیے ہیں۔ مسعودی نے ایک روایت میں تابوت کی شکل بھی بتائی ہے۔ (ص ۴۷ جلد ۱)

((قبض الله يوسف بمصر وله مائة وعشرون سنة وجعل في تابوت الرخام

وسد بالرصاص وطلی بالاخية النافعة للهواء والماء))

”حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے سفید پتھر کا تابوت بنایا گیا اور ہوا اور پانی کی بندش کا

پورا انتظام کیا گیا۔“

معلوم نہیں اس وقفہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عظام یا تابوت کو وادی ”تیبہ“ میں دفن

کیا گیا اور دوبارہ نکال کر حسب وصیت نابلس میں دفن کیا گیا۔ تفصیلات کے لیے تاریخ خاموش ہے اور جو مواد ملتا ہے وہ قریباً اسرائیلی روایات ہیں جن کی بنا پر ترجیح دینا مشکل ہے۔ جمہور امت

نے جو رائے قبول کی ہے۔ روایات میں ضعف کے باوجود وہی راجح معلوم ہوتی ہے۔ سارے واقعات اخباری انداز کے ہیں۔ ان کا انداز احادیث اور محدثین کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

(۸) ابوالقاسم سبیلی بعض شہدائے اہل حدیث اور صلحاء کے اجسام کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ کئی سال کے بعد اپنی قبروں سے صحیح سالم برآمد ہوئے اور دوسری جگہ دفن کیے گئے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

والاخبار بذلك صحیحہ (روض الانف ص ۳۳ جلد ۱)

پھر فرماتے ہیں:

« قال عليه السلام ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء اخرجہ سليمان بن اشعث و ذكر ابو جعفر الدلودي في كتاب التماسي هذا الحديث بزيادة و ذكر الشہداء والعلماء والمؤذنين وهي زيادة غريبة لم تقع (لی) فی مسند

غير ان الدلودي من اهل الثقة والعلم۔» ۱ھ الخ

”آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین پر حرام فرمادیے ہیں۔ سلیمان بن اشعث نے اسے تخریج فرمایا ہے۔ ابو جعفر داؤدی نے اس حدیث میں شہداء، علماء اور مؤذنین کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس زیارت میں بے شک غرابت ہے لیکن داؤدی عالم اور ثقہ ہیں۔“

سبیلی اور شوکانی نے ان احادیث کے متعلق صحت یا ثقاہت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ یہ ذخیرہ ضعف سے خالی نہیں۔ بخاری اور منذری ذہبی وغیرہ ائمہ فن نے ان پر تنقید فرمائی ہے اور یہ حضرات سبیلی وغیرہ سے اپنے فن میں زیادہ مستند ہیں۔ اس لیے اگر نشی صاحب اپنی رائے پر اصرار فرمائیں تو انہیں اس کا حق ہے۔

مگر گزارش ہے کہ ابتائے دیوبند اس موضوع پر تحقیقی طور پر لکھیں۔ محض اکابر اساتذہ کی تقلید پر کفایت نہ فرمائیں اور نہ ہی ہماری گزارشات کو کسی بے ادبی پر محمول فرما کر ناراض ہونے کی کوشش ہی کریں۔

« فان العلم امانة والجهل عن الحقائق خيانة والتمسك بالنصوص ديانة
والاعراض عن التحريف والتاويل صيانة ومن حرم عن ذلك فقد حرم
بعض الخير والله ولي التوفيق عليه توكلت وهو حسبي ونعم الوكيل
ولا حول ولا قوة الا بالله عليه اعتمد واليه انيب۔» ①

① (الاعصام ص ۲۷ جلد ۱۰ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۹ء)

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ایک سوال اور ”مدیر تجلی“ دیوبند کا تحقیقی جواب لاہور سے ”رحیق“ نامی ایک ماہنامہ لکھتا ہے یہ اہل حدیث حضرات کا آرگن ہے۔ اس کی چند اشاعتوں میں ”حیات النبی ﷺ“ کے مسئلہ پر ایک خاص غلو پسندانہ انداز میں کلام کیا گیا ہے۔ خصوصاً آخری قسط (مئی ۱۹۵۸ء) علمائے دیوبند حتیٰ کہ قاسم العلوم والخیرات حجۃ اللہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ تک کی تقلیل و تحظیہ میں کسر اٹھا کے نہیں رکھی گئی ہے۔ کاش آپ اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیں اور جو قلم مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تائید میں دفتر کے دفتر تھسیٹ دیتا ہے اور وہ اپنے لائق صدا احترام اکابر و اسلاف کی حمایت میں بھی جولانی دکھائے اور تمام ائمہ سے بڑھ کر اپنے آپ کو صاحب علم اور عقیل و فہیم سمجھنے والے اہل حدیث کی جسارتوں کا جواب لائے۔ امید ہے کوشش کر کے ”رحیق“ حاصل کریں گے اور اپنے اکابر کی حمایت سے نہیں چوکیں گے۔ ویسے بھی ”حیات النبی ﷺ“ کے مسئلہ پر رحیق کے مضمون نگار کی رائے لطیف طریقے پر توہین رسول ﷺ پر منجر ہوتی ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔

جواب

”رحیق“ بہترین علمی مجلہ ہے ❶

ماہنامہ ”رحیق“ لاہور ”تجلی“ کے تبادلہ میں دفتر ”تجلی“ میں آتا ہے اور ان پرچوں میں شامل ہے جنہیں ہم کم و بیش پورا دیکھے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بلکہ ہمیں کہنا چاہیے کہ ہم اسے ناقدانہ نہیں بلکہ طالب علمانہ اور شاگردانہ حیثیت سے پڑھتے ہیں کیونکہ اس کے مضامین عموماً قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن سے ہماری حقیر سی متاع علم میں مفید اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کے خط کو پڑھ کر نہایت رنج ہوا۔ انداز بیان سے لے کر نفس مطلب تک تمام خط تعصب غلط فکری اور جاہلی تصورات سے آلودہ ہے۔ کاش آپ ”تجلی“ کے فائل اٹھا کر دیکھتے کہ ہم وینی معاملات میں کس نقطہ نظر کے حامل ہیں اور ہمارے نزدیک دین میں گروہ بندیاں اور اجارہ داریاں کس قدر افسوس ناک امور ہیں۔ ہزار ہزار صدمہ اور ملال ہے کہ ہمارے موجودہ مدرسے عموماً وہی فاسد و مجہول اور غالی و متعصب ذہن تیار کر رہے ہیں جس کی خاصی جھلک آپ کے خط میں دیکھی جا رہی

❶ یہ مجلہ محض تین سال کے بعد بند ہو گیا۔

ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلط قسم کی اکابر پرستی، مقامیت، وطنیت پر مبنی گروہ بندی، غلو فی العقیدت اور ”ہم چو ما دیگرے نیست“ کے خطبے سے محفوظ رکھے۔

ہم مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے متفق ہیں

جہاں تک نفس موضوع یعنی اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وصال درحلت کے بعد کس طرح کی ”زندگی“ حاصل ہے اتفاق سے ہم پہلے ہی بعض علمائے دیوبند کے مسلک سے متفق نہیں ہیں، بلکہ ہمارا مسلک بعینہ وہی ہے جس کا اثبات ”رحیق“ کے فاضل مضمون نگار مولانا محمد اسماعیل صاحب خطیب گوجرانوالہ نے کیا ہے۔ ”جلی“ میں کئی بار اس مسئلہ پر ہم اجمالاً کچھ نہ کچھ لکھ چکے ہیں۔ تمام حوالے تو متحضر نہیں ہیں۔ صرف ایک حوالہ پیش نظر ہے۔ یہی ہمارے خیال و عقیدے کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ جلی مئی ۱۹۵۶ء میں ”جلی کی ڈاک“ کے تحت ”حیات النبی“ ہی کے زیر عنوان ہم نے ایک صفحے کا جواب دیا تھا مناسب ہو آپ اسے پڑھ لیں۔ اس کی آخری سطور یہ تھیں۔

”ہمارا کہنا یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مجمل رکھنا ہی پسند فرمایا ان کے بارے میں تفصیلات کی طلب اور چھان بین مناسب نہیں ہے۔ مجمل عقیدہ ہی کافی ہے۔ عقل و ادراک کے پاس یہ صلاحیت کہاں ہے کہ وہ مرنے کے بعد کے احوال و واقعات کو مادی احوال و واقعات کی طرح سمجھ سکے۔ وصال کے بعد حضور ﷺ کے جسم و روح میں کیا اور کیسا تعلق ہے؟ آپ کن معنوں میں زندہ ہیں۔ آپ کے سامنے کیا چیزیں پیش ہوتی ہیں کیا نہیں۔ اس طرح کے سوالات میں پڑنے کے عوض احکامات دین کی تعمیل و نفاذ ہی مسلمانوں کے لیے بالکل کافی ہے۔ جن لوگوں پر عبادات و نکوکاری کے نتیجے میں اللہ کے بعض چھپے ہوئے اسرار کھول دیے گئے ہوں اور ”حیات النبی“ کے باب میں ان پر کچھ منکشف ہوا ہو وہ ان کے اپنے لیے ہے عوام کے لیے نہیں ہے۔ عوام اسے نہیں سمجھ سکتے بلکہ مغالطوں اور وسوسوں میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کے ”وصال“ کو ”موت“ سے جدا کوئی چیز ثابت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی حیات مستقلہ کا کوئی متعین و مشخص اور معلوم و مشرح تصور عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں ہمارے خیال میں وہ مفید

کام نہیں کرتے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن کے بار بار بیان کیے ہوئے تصور بشریت کو مافوق البشر تصورات وادہام سے آلودہ کرنے کا ذریعہ

بنتے ہیں۔“ [جلد ۱ ص ۱۹۵، ص ۳۳]

مولانا قاسم معصوم نہیں تھے

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت و محبت کا جہاں تک سوال ہے تو سچ یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے وقت کا بہترین عالم ذہین و فہیم مفکر اور صاحب زہد و ورع دانش در سمجھتے تھے لیکن یہ عقیدت اس لغویت تک کبھی نہیں پہنچی کہ ہم ان کو معصوم مان کر ان کے ہر فکر و رائے کی اندھا دھند تائید کرتے چلے جائیں۔ چنانچہ ان کی مختلف تحریروں میں اس طرح کی باتیں دیکھنے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی رحلت ”موت“ کے معلوم عام مفہوم و مصداق سے جدا گانہ شے ہے اور اس کی مثال اس ہانڈی کی سی ہے جو کسی چراغ پر ڈھک دی جائے۔ ہم کسی طرح اپنے آپ کو اس باریک خیال کی تائید و تصدیق پر مائل نہ کر سکے بلکہ ہمارا عقیدہ وہی رہا کہ قرآنی نصیحات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی رحلت بھی من حیث البشر دسی ہی رحلت ہے جیسی کسی دوسرے انسان کی ہوتی ہے اور ”موت“ کا لفظ اس پر ٹھیک اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کسی اور انسان کی رحلت پر۔ اس کے لیے قرآن، حدیث اور خلیفہ اول کی تقریر میں واضح شہادت موجود ہے۔ رہا بعد مرگ ان کا زندہ رہنا اور زمین پر ان کے جسم کی حرمت تو اگرچہ اس کا انکار ایک مسلمان کی حیثیت میں ممکن ہی نہیں ہے لیکن جو لوگ اس زندگی بعد مرگ کو ٹھیک دنیاوی زندگی جیسا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور مرگ رسول ﷺ کو ایک اٹل حقیقت ماننے سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں گویا یہ ”موت“ محض ایک فریب نظر یا مذاق تھا۔ وہ اچھا نہیں کرتے اور ان کا ذہن و قلب اس غلط ترین خیال سے مسموم ہے کہ ”موت“ ایک اتنے عظیم پیغمبر کے لیے توہین و تحقیر کا باعث معلوم ہوتی ہے۔ خیر مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تحریر تو کچھ ادق اور غامض تھا کہ ہم کو تاہم فہموں کے لیے اس حسن ظن کی بھی گنجائش باقی رہ جاتی تھی کہ جو کچھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے شاید اس کا مطلب وہ نہ ہو جو ہم نے سمجھا ہے اور وہ حیات النبی کے باب میں فی الحقیقت وہی مسلک رکھتے ہوں جسے ہم درست سمجھ رہے ہیں۔

کل کا دیوبند اور آج کا دیوبند

پھر وہ زمانہ بھی اور تھا۔ شرک و بدعت کے خلاف خود مولانا قاسم رزوی اور دیگر ہم عصر علمائے دیوبند آئے دن سرگرمیوں کا مظاہرہ فرماتے رہتے تھے اور ”حیات النبی“ کے متعلق ایک خاص مسلک رکھنے سے قبوری حضرات کو جوشہ ملنی ممکن تھی اس کا سدباب اور ازالہ ان کی دیگر واضح و مصرح اور موکد مدلل تحریروں اور تقریروں سے پوری طرح ہو رہا تھا لیکن آج جو احوال ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ آج وہ زبانیں گنگ وہ انگلیاں مفلوج اور وہ جذبات سرد ہو چکے ہیں جو مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرح اکرام مسلم کے ساتھ اہانت بدعتی اور تردید شرک و بدعت کو بھی منجملہ فرائض قرار دیتے تھے۔ وہ اخلاف حکمت و رواداری کی ”مملتین پالیسی“ اختیار فرما چکے ہیں۔ جن کے اسلام شرک و بدعت کے باب میں رواداری، تلپتین، درگزر اور صرف نظر کو بزدلی، بے حسی، بے عقلی اور دوغلا پن گمان فرماتے تھے۔ اسی لیے آج کہیں اور نہیں خود دیوبند میں..... اس دیوبند میں جہاں طلبہ ہارمونیم والی قوالی، صلوٰۃ علی القہر، جمعراتی جشن قبوری، چادر بازی اور دیگر قبوری بدعات کا سایہ تک نہیں ملتا تھا..... یہ سب کچھ موجود ہے۔ نہ صرف موجود بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے، کیسے نہ ہو۔ ہمارے داعظان شیریں بیان کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی ایسے جمع میں وعظ فرماتے ہیں جہاں اکثریت مبتدعین و مجہولین کی ہو تو ذومعنی اور آرٹسٹک گل انشائیوں کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتے ہیں کہ تو حید پرست بھی واہ واہ کر اٹھیں اور مقبروں کی خاک چاٹنے والوں کا دل بھی گز بھر کا ہو جائے۔ دیوبندی کہیں کہ کوکل ”حقا تو بولی۔ بدعتی کہیں کہ نہیں وہ تو ”عبدالقادر“ بولی۔

حد ہوگئی۔ اسی عید الفطر کے وعظ میں دیوبند کی عید گاہ کے لاؤڈ سپیکر سے قبل نماز عید قبروں پر جانے کی مسنونیت نشر ہوئی اور ایک خاص حالت خاص فضا اور خاص معاشرے سے متعلق حدیث کو ٹھیک اس واعظانہ بے قیدی و بے پناہی کے ساتھ استعمال کیا گیا جس کے نقصان و اضرار پر..... ابن تیمیہ رزوی، ابن قیم رزوی اور مجدد الف ثانی رزوی جیسے حضرات سر پٹیتے گئے ہیں اور جس کی سطحیت پر سید اسماعیل شہید رزوی جیسے اعظم رجال پناہ مانگ چکے ہیں۔

قبوری ذہن کو ہتھیار

ہندو پاک میں قبر پرستی اور پرستش اولیاء جس قدر زوروں پر ہے آنکھ والوں سے مخفی نہیں ایسے حالات اور ماحول میں جو اہل علم ”حیات النبی“ کا مسئلہ لے کر بیٹھتے ہیں اور حیات پیغمبر کو

بالکل حیات دنیاوی بنا کر اپنی فدایت رسول اور حب پیغمبر اور محمد علمی کا مظاہرہ فرمانا چاہتے ہیں۔ وہ صرف وقت کا ضیاع ہی نہیں کرتے بلکہ اسے ایک نہایت افسوسناک نتائج پیدا کرنے والے کام میں صرف کرتے ہیں اور قوری ذہن کو تصور توحید کے خلاف ہتھیار مہیا فرماتے ہیں۔ اسی لیے آج اس مسئلہ کی حیثیت محض علمی نہیں رہی کہ اس میں ہر نقطہ نظر کو باعتبار اجتہاد حق و ثواب مان لیا جائے بلکہ اس کی نوعیت ایک مستقل فتنے کی ہو گئی ہے۔ جس سے دامن بچانا ہر دانش مند کا فرض ہے اسی وجہ سے ”رہیق“ کے فاضل مضمون نگار نے زحمت تنقید فرمائی ہے اور اس وجہ کا مختصر اظہار بھی آخر میں کر دیا ہے۔

نفس مسئلہ سے ہٹ کر جہاں تک طرز تحریر اور معیار تنقید کا تعلق ہے تو اگر نفس مسئلہ پر ہم فاضل مضمون نگار سے متفق نہ ہوتے تب بھی بر ملا یہی کہتے کہ سنجیدہ و متین اور ٹھوس علمی اختلاف کا جو بہتر سے بہتر معیار ہو سکتا ہے انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ لہجے سے لے کر الفاظ تک اور دلائل سے لے کر آداب تک انہوں نے پوری شائستگی بزدباری اور نجابت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ آپ یا کوئی اور ان کے دلائل سے متفق نہ ہو یا دلائل کو سمجھے جو جھے بغیر صرف عقیدتا اسی خیال پر جمار ہے جو اس کے محبوب بزرگوں کا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا اہل حدیث ہونا آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دے اور اپنے بزرگوں کے ایک مسلک کی علمی تنقید آپ کو جامے سے باہر کر دے۔

یہ کیسی ”بلیڈ“ الذہنی ہے کہ ایک طرف تو آپ جماعت اسلامی کی تائید کا ذکر نہایت تحقیر سے کرتے ہیں دوسری طرف بعض اکابر اسلاف کے ساتھ ”لائق صدا احترام“ کا دم چھلا لگا کر ہمیں ان کی حمایت پر اس لیے ابھارتے ہیں کہ وہ ”ہمارے“ ہیں۔ اس طرح کی لغویتیں قوم و وطن کے محور پر گھومنے والی سیاست میں تو چلتی ہیں، لیکن دینی و علمی مسائل میں اپنا اور پرایا..... لائق صدا احترام..... اور لائق صداہانت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مولا ناقاسم رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور دو بندی بزرگ سے کہ ہمارے نسلی اور وطنی کچھ رشتے ہیں تو دینی و علمی مسائل میں ان رشتوں کی دہائی دینا پر لے درجے کی تنگ نظری ہے اور مولانا مودودی سے ہمارا نسلی و وطنی کوئی بھی رشتہ اگر نہیں ہے تو اس عدم تعلق کو دینی و علمی مسائل میں ملحوظ رکھنے کا سبق دینے والا ہمارے نزدیک انتہائی پستی فکر و نظر کا شکار ہے۔ پھر اسی سانس میں آپ اہل حدیث پر بھی علی الاطلاق ایک بھونڈا فقرہ کس جاتے ہیں۔ یہ کیا گراوٹ ہے؟ ہم بے شک حنفی ہیں اور یہاں تک غالی کہ اگر کسی فقہی مسلک کے بارے میں ہمیں تحقیق ہو جائے کہ واقعی وہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور بعد کے کسی حنفی نے اس میں اپنے

اجتہاد و قیاس کو داخل نہیں کیا ہے تو چاہے یہ ہمارے علم و عقل کے بظاہر خلاف ہی ہو مگر ہم اس سے اختلاف کی ہمت نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے پاس وہ کافی علم نہیں ہے جو اتنے بڑے عالم و داناسے اختلاف کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔

اہل حدیث پر توہین رسول ﷺ کا الزام

”توہین رسول ﷺ“ کی ایک ہی ریی۔ اہل حدیث اور توہین رسول ﷺ؟ دن اور تاریکی؟ آسمان اور پستی؟ ہمیں پہلے ہی اندیشہ تھا کہ دیوبندی علمائے خلف کی اہل بدعت سے نیم برہنہ سانٹھ گانٹھ اور مفاہمت آخر کار دیوبندی مکتبہ فکر میں بھی مبتدعانہ غلو فی العقائد اور متوہمانہ نکتہ سنجی کا زہر پھیلا کے رہے گی۔ وہی ہوا۔ اہل بدعت تو دیوبندیوں پر توہین رسول ﷺ اور تحقیر اولیاء کے الزامات عائد کرتے تھے۔ اب دیوبندی مسلک کے لوگ اہل حدیث اور مولانا مودودی وغیرہ پر یہی ہوائی تیر چلا رہے ہیں۔ بندۂ رب! رحیق والے مضمون میں تو توہین رسول ﷺ کا شائبہ تک نہیں۔ جو خوردبین چیونٹی کو ہاتھی بنا کر دکھاتی ہو وہ بھی اس مضمون میں توہین رسول ﷺ کا حبیہ نہیں دکھا سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح قبوری حضرات نے اہل قبور کے لیے رنگ برنگے عقائد گھڑ لیے ہیں۔ طرح طرح کی دوراز کار اور بے اصل صفات اولیائے مرحومین کے لیے تصنیف فرمائی ہیں اور ان خود ساختہ عقائد و صفات کی تردید کو وہ توہین اولیائے قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے باب میں کچھ طبع زاد تصورات کو حقائق مان لیا ہوا اور ان سے بدلائل اختلاف کرنے والوں کو مرتکب توہین قرار دینے لگیں۔

مولانا محمد اسماعیل کا درست تجزیہ

سچ لکھا ہے رحیق کے مضمون نگار جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ”بعض دیوبندی علما بھی بریلوی علم کلام کے سہ حصے سے موقعہ بہ موقعہ کام لیتے رہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہاں تک شہادت دیں گے یہ علم کلام گاہے گاہے جملہ عمل بھی پہن لیتا ہے۔ مثلاً یہاں ایسے بھی علمائے کرام“ موجود ہیں۔ جو ”شاہ ولایت“ صاحب کے مزار پر جاتے ہیں اور واپس آ کر دوست احباب سے یہاں تک فرماتے ہیں کہ آج مجھے شاہ ولایت صاحب نے ڈانٹا کہ اتنے دنوں سے کہاں تھا اور آج سینے سے لگایا اور آج فلاں مشورہ دیا۔ یہاں ایسے بھی ”عاشقان اولیا“ علما ہی کے دائرے میں موجود ہیں کہ اگر آپ ان سے کہیں گے کہ مولانا! یہ جو آپ نے درمیان کی دیوار

﴿ ۶۳ ﴾

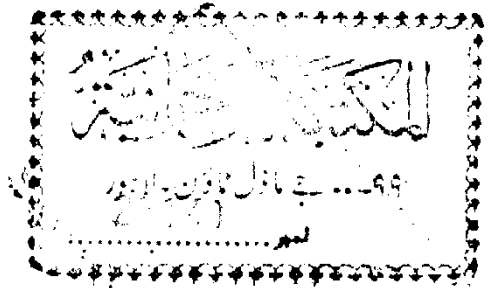
﴿ مسئلہ حیات النبی ﷺ ﴾

ڈھا کر دو کوٹھریوں کا ایک کمرہ بنا دیا تھا بہت ہی اچھا کیا تو وہ جواب دیں گے جی ہاں! حضرت مولانا..... رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے جو کام بھی کرتا ہوں ماشاء اللہ ان کی توجہ سے پسندیدہ و مرغوب ہوتا ہے۔ حالانکہ کسی اور وقت میں جب موڈ ذرا بدلا ہوا ہو آپ انہی کی زبانی یہ بھی سنیں گے کہ مولانا صاحب! بڑی ہی پریشانی ہے۔ تنخواہ میں گزرا نہیں ہوتا۔ فلاں کام یوں کیا تھا، یوں بگڑ گیا۔ فلاں ترکیب یوں سوچی تھی اور اوندمھی ہوگئی۔ اب اگر آپ یاد دلائیں کہ مولانا وہ برکت و توجہ کہاں گئی جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا تو سوختہ و بریاں جواب ملے گا کہ قادیانی علم کلام بھی پانی بھرتا رہ جائے گا۔

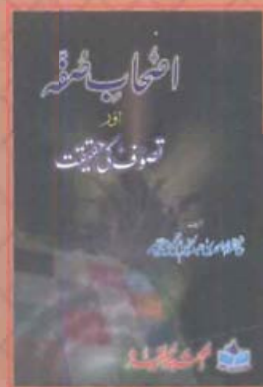
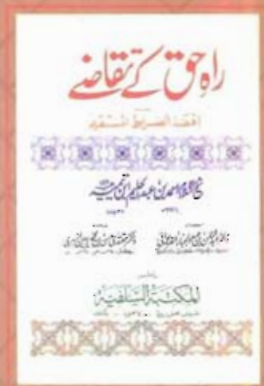
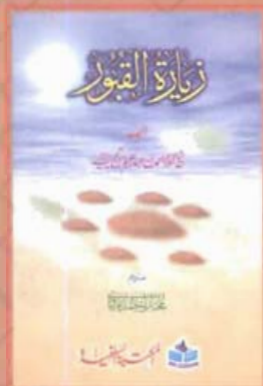
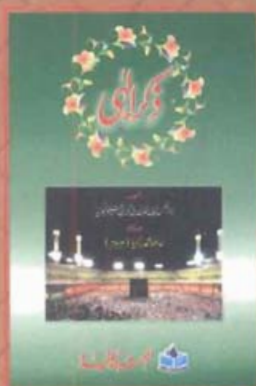
حاصل کلام یہ ہے کہ بدعت کا کوئی وطن نہیں، نہ وہ کوئی لمیٹڈ یار جسٹریڈ کاروبار ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک دیوبندی عالم جو کچھ کہے اور کرے اس کا بدعت ہونا ناممکن قرار دیا جائے اور اہل حدیث حضرات اگر علمائے دیوبند سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہوں تو لازماً علمائے دیوبند ہی حق پر ہوں۔ آخرت کا اگر خیال ہے تو گروہی اور وطنی عصیتوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام اور بندگان اسلام کی صلاح و فلاح کے لیے وسعت نظر اور حلم و برداشت کی راہ پر آئیے ورنہ قبرا قبائل سے وہی آواز آئے گی کہ: ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستاںوں میں

[جلی دیوبند ص ۲۳ تا ۲۶ بابت جولائی و اگست ۱۹۵۵ء]



ہماری چند دینی مطبوعات



المکتبۃ السلفیہ
شیش محل روڈ — لاہور — پاکستان

Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981 P.O.BOX 1452

E-mail: alsalafiyah@yahoo.com